دنیا کے 70 حیرت انگیز مقامات اور تعمیرات، جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے

دنیا کے 70 عجوبے

(70 Wonders of the World)

مصنف

ایڈمنڈ سونگل ہرسٹ

(Writer: Edmund Swinglehurst)

تلخیص و ترجمہ

شاہدہ لطیف

(*Edit & Translation: Shahida Latif*)

علم و عرفان پبلشرز

34۔اُردو بازار، لاہور فون:7232336-7352332

نام کتاب	....	دنیا کے 70 عجوبے
مصنف	....	ایڈمنڈ سونگل ہرسٹ
ناشر	....	گل فراز احمد
تلخیص و ترجمہ	....	شاہدہ لطیف
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	....	انیس احمد
پروف ریڈنگ	....	جمشید زکریا
سنِ اشاعت	....	جنوری 2007ء
قیمت	....	-/400روپے

☆......ملنے کے پتے......☆

علم و عرفان پبلشرز

34۔اُردو بازار، لاہور فون:7352332-7232336

سیونتھ سکائی پبلی کیشنز

غزنی سٹریٹ، الحمد مارکیٹ، 40-اردو بازار، لاہور

موبائل: 0300-4125230

فہرست

اپنی بات

جب سے دُنیا گھومی ہوں تب سے اپنے ملک اور اپنی سرزمینِ وطن کو دُنیا سے بھی اچھا کرنے کے خواب بُنتی رہتی ہوں۔ اگر پیرس کی شفاف سڑکیں دیکھتی ہوں تو اپنے ملک میں ایسی سڑکوں کا جال بچھانے کا سوچتی ہوں اور اگر برطانیہ کی ماڈل رول ایڈمنسٹریشن کا نظام اچھا لگتا ہے تو اسے اپنے ملک میں بھی لاگو کرنے کا خیال رہتا ہے۔

امریکہ اور یورپی ممالک کے لوگوں کی مہذب، جدید اور آسودہ خوشحال زندگیاں دیکھ کر اپنے پاکستانی لوگوں کی غربت، کسمپرسی اور بے بسی دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ بہرحال ابھی پچھلے دنوں ساؤتھ افریقہ میں سڑکوں کے اوورھیڈ برجز اور انڈر پاسز ''روڈ کیمسٹری'' کا ایسا حسین امتزاج پیش کر رہے تھے کہ بارہا سڑکوں کے کنارے گاڑی روک روک کر اپنے وطن کے لیے سہانے سپنوں میں کھونا پڑا بلکہ کالوں کے دیس میں کالوں کی قسمت پر رشک کرنا پڑا کہ آزادی کے اتنے کم سالوں میں اتنی زیادہ ترقی واقعی قابلِ تحسین ہے۔

اپنے برطانیہ وزٹ کے موقع پر ایک ورلڈ فیم رائٹر Mr. Edmund Swingle Hurst کی کتاب Wonders of the World نظر سے گزری جس نے حیرتوں کے طلسم وا کیے کیونکہ ہم بھی عام لوگوں کی طرح یہی سمجھتے تھے کہ بس دُنیا میں تو صرف سات ہی عجوبے ہیں لیکن ونڈرز آف دی ورلڈ میں تقریباً 70 عجوبے دیکھ کر مصنف ایڈمنڈ سونگل ہرسٹ کی محنت شاقہ کی داد دینا پڑی جنھوں نے بڑی ریسرچ اور دریافت کے بعد دنیا کے ان حیرت کدوں کو ایک کتاب میں جمع کیا۔ ہم نے یہ کتاب منہ مانگے داموں خرید لی۔ اس کتاب کو پڑھنے اور دیکھنے کے بعد جہاں ایک طرف اس تشنگی کا احساس ہُوا کہ ہم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے تو دوسری طرف اللہ رب العزت سے دُعا مانگی کہ پروردگار دونوں جہاں کے مالک آپ نے اتنی خوبصورت دُنیا بنائی ہے تو ہمیں اس خوبصورت دُنیا کو دیکھنے کا اہتمام بھی کر دیجئے۔ ابھی تک تو جو کچھ ممالک دیکھے تھے اب ان Wonders کے بعد تو لگتا ہے کہ کچھ دیکھا ہی نہیں۔ جب یہ عجوبے، عجوبے جان کر ہی نہیں دیکھے تو اب ان ممالک میں دوبارہ جانا پڑے گا۔

دراصل ایڈمنڈ سونگل ہرسٹ کی کتاب یوں بھی اچھی لگی کہ اس میں ہمارے ملک کے صوبہ لاہور کے قلعہ (پنجاب کی کُنجی) کو بھی ان عجوبوں میں شامل کیا گیا ہے جبکہ برطانیہ میں مادام تساؤ کے میوزیم میں اپنے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے مجسمے کی بہت کمی محسوس ہوئی تھی حالانکہ قائداعظم اور برطانیہ لازم وملزوم تھے۔ وہ باریٹ لاء بھی تھے اور وہاں کی سیاست وثقافت میں رچے بسے انسان دوست بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیت بھی۔ جبکہ اس میوزیم میں بہت کم درجے کی شخصیات کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ بہرحال ہم تو اپنا موقف بھی پیش کریں گے اور سفارش بھی کریں گے کہ بین الاقوامی معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے قائداعظم کو شامل کیا جائے بالکل اُسی طرح جس طرح ناروے (اوسلو) کے سٹی ہال میں جہاں دنیا کے ممالک کے تحائف جوان کے شاہی خاندان کو دیے گئے بڑے خوبصورت انداز میں سجائے گئے ہیں لیکن گھنٹوں کی بسیار کے بعد بھی اپنے ملک پاکستان کی طرف سے دیا گیا کوئی تحفہ ہمیں نظر نہیں آیا۔ دل میں اندھیرا سا چھایا کہ ہم اتنے غریب تو نہیں کہ کسی ملک کے بادشاہ یا شہزادی کو کوئی

تحفہ نہ دے سکیں۔ بہر حال یہ سارے کام سرکاری سفارتکاروں کے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ملک کے امیج کا خیال رکھتے ہوئے ہر موقع اور مقام پر پاکستان کی شمولیت کو لازمی بنائیں۔

بہر حال دنیا میں جینے اور مقام بنانے کے لیے کسی بھی ملک کی فارن پالیسی کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ یہ پالیسیاں ذاتی نہ ہوں صرف اور صرف پاکستان کے وقار اور مستقبل کو مدِ نظر رکھ کر بنائی جائیں۔

ہم نے تو اپنے ملک کے صوبائی دارالحکومت لاہور کے قلعے کو شامل کرنے کی خوشی میں اینڈ منڈ سونگل ہرسٹ کی کتاب کا ترجمہ کر ڈالا۔ اس سے ایک طرف دُنیا میں بسنے والے ''اردو دان'' بھی دُنیا کے بڑے ممالک کے عجوبوں سے واقف ہوں گے تو دوسری جانب سیاح دُنیا کے ان 70 عجوبوں کو دیکھنے ممالک کی سیر کو نکل پڑیں گے۔ ہم تو صرف اتنا کہیں گے کہ:

ہر رہگذر پہ شمع جلاتے چلے گئے
اک روشنی سی ہر سُو بجھاتے چلے گئے

جو پُھول تھے سجا دیے گلدان میں تمام
رستے کے سارے خار اٹھاتے چلے گئے

آنچل میں اپنے باندھ کے جگنو کی کہکشاں
ہم شامِ زندگی کو سجاتے چلے گئے

اس کتاب کی اشاعت دنیائے ادب کے نامور اشاعتی ادارہ علم وعرفان کے بانی گل فراز احمد کی کاوشوں' محنتوں اور محبتوں کا ثمر ہے مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب بھی میری پہلی کتاب کی طرح نہایت خوبصورت ٹائٹل اور کلر پرنٹنگ کے ساتھ آپ تک پہنچنے میں گل فراز احمد میری پوری مدد کریں گے۔ اس کتاب کی پذیرائی بھی گذشتہ کتب کی طرح میری توقع سے زیادہ ہوگی اور یہ کتاب ان ہاتھوں' اُن شہروں اور ملکوں تک پہنچے گی جہاں اب تک میری پہلی کاوش نہیں پہنچ سکی۔

دُعاؤں کی خواستگار
شاہدہ لطیف
فون: 092-51-2873033
092-51-2873133
موبائل: 092-300-8565050

تعارف

حقیقت میں دنیا میں سات عجوبے موجود تھے۔ لیکن ان عجوبوں میں سے محض ایک ہی عجوبہ اب روئے زمین پر موجود ہے اور وہ ہے اہرام مصر۔ دیگر تمام عجوبے صفحۂ ہستی سے ناپید ہو چکے ہیں...... کچھ جنگوں کی وجہ سے تباہی و بربادی سے ہمکنار ہو چکے ہیں...... کچھ قدرت کی ستم ظریفی کا شکار ہو چکے ہیں...... کچھ حوادث زمانہ کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنا وجود کھو بیٹھے ہیں...... کچھ نظرانداز کیے جانے کی بنا پر بربادی کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ عجوبے زمانہ قدیم کے لوگوں کیلئے کیوں عجوبوں کی حیثیت کے حامل تھے۔ کیا وہ اس لئے عجوبے تھے کہ وہ حیران کن فن تعمیر کے حامل تھے...... مثال کے طور پر اہرام مصر یا پھر وہ کسی اور وجہ کی بنا پر عجوبوں کی حیثیت کے حامل تھے؟ ہم اس امر پر یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ جب بنی نوع انسان کسی چیز کو ایک عجوبے کے طور پر متعارف کروانے کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ چیز کسی خیال یا افکار کی علامت ہوتی ہے...... ایک ایک خیال جو ہمارے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے...... جس کے ساتھ ہمارا گہرا تعلق ہوتا ہے۔

اہرام مصر اپنی قد و قامت اور جسامت کے لحاظ سے قابل غور اور قابل ذکر تھے۔ اس کے علاوہ وہ اس وجہ سے بھی قابل غور اور قابل ذکر تھے کہ وہ ایک نظریہ پیش کرتے تھے جس کا اظہار مقبرے کی میناکاری کے علاوہ سنگ تراشی اور مجسمہ سازی پر میناکاری سے ہوتا ہے...... موت کے بعد کی زندگی کا نظریہ...... ایک لحاظ سے مذہب کی مکمل وضاحت ممکن ہوتی ہے۔ اسی طرح بابلون کے باغات...... اگرچہ یہ فن تعمیر اور فن باغبانی کا منہ بولتا شاہکار اور عجوبہ تھے لیکن اس کے علاوہ وہ اس لئے بھی عجوبہ تھے کہ وہ بنجر اور بے برگ و گیاہ سرزمین پر زرخیزی کا خیال پیش کرتے تھے۔ اسی طرح الیزینڈریا کا لائٹ ہاؤس ایک دیو قامت مینار ہونے کے علاوہ حصول علم کی بھی علامت تھا...... الیگزینڈریا تہذیب و ثقافت کا ایک مشہور مرکز تھا اور قدیم دنیا کی ایک عظیم ترین لائبریری کا بھی حامل تھا۔

زیر نظر کتاب کے لئے جن 70 عجوبوں کا انتخاب کیا گیا ہے...... وہ عجوبے یا تو انسانی فن تعمیر کا منہ بولتا ثبوت ہیں یا پھر قدرت کی کاریگری کا منہ بولتا ثبوت ہیں...... یہ عجوبے انسانی نظریات...... آرزوؤں اور تمناؤں کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔ کچھ عجوبے اپنی قد و قامت اور جسامت کے لحاظ سے عجوبے کہلانے کے مستحق ٹھہرتے ہیں لیکن ان کی حقیقی اہمیت اس لحاظ سے بھی دوچند ہو جاتی ہے کہ وہ ہمیں بنی نوع انسان کے بارے میں کچھ نہ کچھ بتاتے ہیں...... ان افراد کی آرزوؤں اور تمناؤں کے بارے میں کچھ نہ کچھ بتاتے ہیں جو ان سے وابستہ تھے...... اس کے علاوہ وہ تہذیب و تمدن اور ثقافت کے بارے میں رویہ جات اور اعتقادات کے بارے میں کچھ نہ کچھ بتاتے ہیں جن کی بنا پر وہ عجوبہ کہلانے کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور آج تک عجوبے ہی کی حیثیت کے حامل ہیں۔

مثال کے طور پر رویٹی کین سٹی کے پتھر ہمیں دو داستانیں سناتے ہیں...... ایک داستان ان لوگوں کی ذہانت کی جنہوں نے انہیں ترتیب

سے نوازتے ہوئے حیران کن عمارات کے روپ میں ڈھالا اور دوسری داستان مذہبی نظریے کے بارے میں سناتے ہیں۔اسی طرح اجنتا کی غاریں ......شیوڈاگون ٹمپل......انگ کوروات اور دیگر عبادت گاہیں اور چرچ جات ہمیں دیگر مذاہب کے فلسفوں کے بارے میں بتاتے ہیں۔

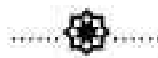
مظاہر فطرت میں اگرچہ انسانی کاریگری کا کوئی عملی دخل نہیں ہے لیکن انسان کی ان کے ساتھ وابستگی ضرور ہے۔ پہاڑ اور دریا ان مقامات پر اہمیت کے حامل ہیں جو مقدس مقامات تصور کیے جاتے ہیں......اس وقت سے جب سے انسان نے اس روئے زمین پر اپنی زندگی کے معانی کے بارے میں سوچنا شروع کیا تھا۔آج کل ہم مذہب کے معانی پہاڑوں اور آبشاروں کے ساتھ منسوب نہیں کرتے......لیکن انسانی جذبے کی اصطلاح میں ان کی اہمیت کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔

پہلے وہ اپنے دریافت کنندگان کی خصوصیات کی علامت کے طور پر سامنے آئے۔ایورسٹ اور قطب جنوبی ہمیشہ ہیلرے اور اسکاٹ کے ساتھ منسوب کیا جائے گا اور ان کی حوصلہ مندی کی ان خصوصیات کے ساتھ منسوب کیا جائے گا جن کی عدم موجودگی میں وہ اپنی مہمات سر نہیں کر سکتے تھے۔

دوم یہ کہ لاشعور کی دنیا میں مظاہر فطرت ہمیشہ بنی نوع انسان کی اپنی ذات اور ماحول گہرے احساسات اور محسوسات کی علامت رہے ہیں۔بہت سی مذہبی روایات کے تحت پہاڑوں کو دیوتاؤں کے مسکن کے طور پر دیکھا جاتا رہا ہے......شاید اس لئے کہ وہ عظمت......آسمان......اور زندگی مابعد موت کے افکار کی نمائندگی کرتے ہیں جبکہ دریا اور آبشاریں جو کہ زرعی زندگی کے ذرائع ہیں وہ بھی دیوتاؤں کے ساتھ منسوب کی جاتی تھیں اور مافوق الفطرت چیزوں کے ساتھ منسوب کی جاتی تھیں۔

زندگی کو ایک عجوبے کی مانند دیکھنے کی اہلیت کئی ایک سطحات پر ایک عالمگیر حیثیت کی حامل ہے۔لہٰذا زیر نظر کتاب کے لئے موضوعات کے انتخاب کا عمل لامحدود نوعیت کا حامل ہے۔ہم نے دنیا کے تمام تر حصوں سے 70 عجوبوں کا انتخاب کیا ہے۔ان میں سے کچھ عجوبے روایتی طور پر بطور عجوبے تسلیم کئے جاتے ہیں جبکہ دیگر مثلاً ڈزنی ورلڈ اگرچہ قدرے نیا ہے لیکن وہ تفریح طبع اور ثقافت کے نکتہ نظر سے اپنی مثال آپ ہے۔وہ مقامات اور اشیاء جن کو لوگ عجوبہ گردانتے ہیں ان کی عالمگیر حیثیت کا اظہار ان تاثرات سے ہوتا ہے جو وہ اپنے دیکھنے والوں پر مرتب کرتی ہیں۔مثلاً رنگون میں شیوڈاگون......ایک مذہبی مرکز اور ماضی کی ایک شاندار یادگار......یہ مشرق اور مغرب دونوں کی توجہ کا مرکز ہے۔

ایڈمنڈ سونگل ہرسٹ



پتھر کے دور کا ایک معمہ

پتھروں کا عظیم دائرہ نما قلعہ

یقین کے ساتھ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ پتھروں کا وسیع وعریض دائرہ نما قلعہ جو سالسبری کے میدان میں سر اٹھائے کھڑا ہے وہ کیوں تعمیر کیا گیا تھا یا اس تعمیر کے لئے پتھر کہاں سے آئے تھے۔

دستیاب حقائق کے مطابق یہ تعمیر پتھر کے دور کے آخری دورانیے اور کانسی کے دور کے ابتدائی دورانیے کے دوران سرانجام دی گئی تھی۔ بالفاظ دیگر 1800 اور 1400 قبل مسیح کے درمیان سرانجام دی گئی تھی اور یہ کہ کچھ نام نہاد نیلے پتھر پم بروک شائیر سے لائے گئے تھے جبکہ دیگر پتھر قریبی علاقے سے حاصل کئے گئے تھے۔ یہ قدرے کم رومانوی وضاحت ہے اس وضاحت کی نسبت جو جیوفری ڈی مون ماؤتھ نے 1136ء میں پیش کی تھی جبکہ اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ان پتھروں کو جادو کے زور پر آئر لینڈ سے لایا گیا تھا اور یہ کارنامہ جادوگر مرلن نے سرانجام دیا تھا جو شاہ آرتھر کے دربار کا ایک جادوگر تھا......شاہی جادوگر تھا۔ جدید معلومات اس کھدائی پر مبنی ہے جو 1919ء میں آثار قدیمہ کی سوسائٹی نے سرانجام دی تھی اور ان معلومات کو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

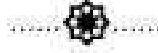
اس دور میں پتھروں کے دائرے غیر معمولی اہمیت کے حامل نہ تھے اور یہ برطانیہ اور فرانس میں دیگر مقامات پر بھی موجود ہیں۔ یہ تصور کرنا بھی عین ممکن ہے کہ یہ مذہبی نوعیت کی وضاحت سرانجام دیتے تھے کیونکہ ابتدائی دور کے کئی ایک مذہب ستاروں اور سیاروں پر بنیاد کرتے تھے۔

پتھروں کے اس دائرے میں دلچسپ اور قابل دید وہ مہارت ہے جو گولائی کے حامل تسلسل کی تعمیر میں استعمال کی گئی ہے۔ اس تعمیر کا ڈیزائن گولائی کا حامل ہے اور تعمیر کے تمام تر ڈھانچے کے اردگرد گولائی کی حامل ایک خندق ہے جس کے کنارے کے اندر 56 گڑھے واقع ہیں۔ بیرونی کنارے اور اندرونی پتھروں کے دائروں کے درمیان دو مزید حلقے ہیں۔ یہ کہنا ممکن نہیں کہ یہ دفاعی نکتہ نگاہ کے طور پر تعمیر کئے گئے تھے یا سجاوٹی نکتہ نظر کے تحت تعمیر کئے گئے تھے۔ پتھر بذات خود دو دائروں پر مشتمل ہے۔ بیرونی دائرہ سارسن پتھروں پر مشتمل ہے جبکہ اندرونی ائرہ نیلے پتھروں پر مشتمل ہے۔

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ تعمیر تین ادوار میں مکمل کی گئی تھی۔ پہلا دور 1800 قبل مسیح کا دور تھا اور دوسرا دور 1700 قبل مسیح کا دور تھا اور یہ وہ دور تھا جبکہ تعمیر میں نیلے پتھروں کا اضافہ کیا گیا تھا۔ تعمیر کا حتمی دور وہ دور تھا جس کے دوران اصل دائروں کی تعمیر نو سارسن پتھروں کے ساتھ سرانجام دی گئی تھی۔

سارسن پتھروں سے تعمیر کردہ ڈھانچہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ پتھر قابل غور حد تک بڑے ہیں۔ ان کی اونچائی 4 میٹر (13 فٹ) اور وزن 25 ٹن ہے۔ ان کی سطح پر ہتھوڑوں سے کام سرانجام دیا گیا ہے جو کاریگروں کی کاریگری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ کاریگر مقامی ہوں یا پھر انہیں باہر سے بلوایا گیا ہو۔

اس تعمیر کے بارے میں حقیقت سے کبھی پردہ نہیں اٹھا لیکن اس کے باوجود بھی یہ دنیا میں پتھروں کے دائروں کا ایک عظیم معمہ ہے۔



اس تعمیر کے بارے میں حقائق

بیرونی خندق

97 میٹر (320 فٹ) قطر کی حامل

اندرونی دائرہ

30.5 میٹر (100 فٹ) قطر کا حامل

سارسن پتھر

وزن میں 25 ٹن

اونچائی میں 4 میٹر (13 فٹ)

ٹرائی لی تھونز

وزن میں 50 ٹن

اونچائی ترین ٹرائی لی تھونز

7.3 میٹر (24 فٹ) اونچا

لندن کا مینار

انگریزی تاریخ کا گہوارہ

جب فاتح ولیم نے 1066ء میں انگلستان پر حملہ کیا تو اسے وہاں کی آبادی کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جو اس کے تسلط کو قبول کرنے پر آمادہ دکھائی نہ دیتی تھی۔لہٰذا اسے نظم ونسق قائم کرنے کیلئے ایسے مضبوط مراکز قائم کرنے کی ضرورت درپیش تھی جہاں سے اس کی سپاہ مفتوحہ آبادی پر کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے۔ان مراکز میں سب سے اہم مرکز ایک قلعہ تھا جسے ولیم نے تھیمز کے کنارے تعمیر کروایا تھااور جو صدیوں کی مسافت طے کرتے ہوئے لندن کے مینار کے نام سے مشہور ہوا۔یہ قلعہ برطانیہ کی تاریخ کے اہم واقعات کا شاہد ہے۔

اگرچہ یہ لندن کے مینار کے نام سے مشہور ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک مینار ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ مضبوط دیواروں کا ایک سلسلہ ہے جن کے اندر ایک خندق (کھائی)...... مینار اور دیگر تعمیرات تاریخ کے مختلف ادوار کے دوران تعمیر کی گئی تھیں۔جب تھیمز لندن کی شاہراہ تھی اس وقت اس میں داخلہ غداروں کے دروازے کے ذریعے ممکن تھا۔اس کی دیواریں مجموعی طور پر 18ایکڑ رقبے کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

وسطی یا سفید مینار کی تعمیر گندلف نے کی تھی جو کہ روچسٹر کا بشپ تھا۔اس نے یہ تعمیر 1078ء میں سرانجام دی تھی۔اس کی تعمیر محافظ فوج رکھنے کے لئے سرانجام دی گئی تھی...... قلعے یا شہر کی محافظ فوج رکھنے کے لئے......اس کے علاوہ یہ تعمیر اسلحہ خانہ کے طور پر بھی استعمال میں لائی جاتی تھی۔یہ اب بھی اسلحہ خانہ کے طور پر استعمال میں لائی جاتی ہے اور اس میں وہ ملبوسات بھی موجود ہیں......وہ حفاظتی پوشش......وہ زرہ بھی موجود ہیں جو انگریز بادشاہ زیب تن کرتے تھے۔سفید مینار کی 27.4 میٹر (90فٹ) دیواروں کے اندر ایک شاندار گرجا گھر بھی واقع ہے۔جو سینٹ جان کا گرجا کہلاتا ہے......یہ وہ گرجا ہے جہاں پر قیدیوں اور امیروں نے اپنی آخری عبادت سرانجام دی تھی یا اس مقام پر دفن کیے گئے تھے۔

13ویں اور 14ویں صدی کا دورانیہ قومی ابتری اور انتشار کا دورانیہ تھا۔اس دور میں پُرقوت اور طاقت کے حامل حکومتی خاندان ایک دوسرے کی اتھارٹی کو چیلنج کرتے تھے اور بادشاہ پر اثر انداز ہونے کی جدوجہد میں مصروف رہتے تھے۔وہ بادشاہ کو متاثر کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔اس دوران حفاظتی قلعوں کی عمارات کی تعداد میں ازحد اضافے دیکھنے میں آیا تھا۔لندن کے مینار میں اس دور کے دوران کئی ایک میناروں کا اضافہ کیا گیا تھا۔اس میں وہ خونی مینار بھی شامل تھا جہاں این بولین......ہنری VIII کی دوسری بیوی سزائے موت پانے سے بیشتر 1536ء میں قید رہی تھی۔کئی ایک صدیوں کے دوران اس مینار میں کئی ایک اہم شخصیات قید رہی تھیں۔مثلاً کران مر......سر والٹر ریلے اور آرک بشپ لاوڈ وغیرہ۔ وغیرہ۔

اندرونی دیوار کے دیگر مینار بشمول ویک فیلڈ ٹاور......بُو چانپ ٹاور (تھامس ڈی بُو چانپ کے نام پر اس کا نام رکھا گیا تھا جسے رچرڈ II نے

وہاں پر قید رکھا تھا)......اور بل ٹاور...... یہ تمام مینار قید خانوں کے نظریے کے تحت تعمیر کیے گئے تھے۔ بل ٹاور میں کافی مشہور شخصیات قید رہی تھیں مثلاً آرک بشپ فشر...... سر تھامس مور...... نوجوان شہزادی الزبتھ اور چارلس II کا غیر قانونی بیٹا ڈیوک آف مون ماؤتھ وغیرہ۔ وغیرہ۔

15 ویں صدی کے دوران مینار نے یارک اور لان کیسٹر کے درمیان رقابت بھی دیکھی۔ ہینری VI...... جس کا دور حکومت سنہری وعدوں سے شروع ہوا 1471ء میں وہاں پر قتل ہوا اور رچرڈ III کے دور کے دوران یہی کچھ شہزادی ایڈورڈ یارک کے رچرڈ کے ساتھ پیش آیا۔ رچرڈ کا بھائی ڈیوک آف کلارینس شاہی سازش کا ایک اور شکار بنا تھا۔

ٹیوڈور کے دور میں مینار نے کئی ایک مزید واقعات دیکھے۔ کیتھرائن ھوورڈ اور این بولین وہاں پر قید رہیں اور سزائے موت سے ہمکنار ہوئیں اور یہی کچھ سر تھامس مور کے ساتھ ہوا۔ یہی کچھ لیڈی جین گرے اور رابرٹ ارل آف ایسکس کے ساتھ ہوا۔

حتیٰ کہ جدید دور میں بھی مینار میں اہم قیدی رکھے گئے۔ ان میں سے ایک رڈولف ہس بھی تھا جو 1941ء میں امن منصوبے کے ساتھ غیر متوقع طور پر برطانیہ پہنچا تھا۔

اپنی تمام تر تاریخ کے دوران لندن کا مینار ایک قید خانے اور قلعے سے بڑھ کر بھی رہا ہے۔ اس کی چار دیواری کے اندر بہت سی اہم قومی تقریبات بھی منعقد ہوتی رہی ہیں۔ کئی مرتبہ یہ شاہی ٹکسال بھی بنا...... ایک مشاہدہ گاہ بھی بنا...... شاہی چڑیا گھر بھی بنا اور عوامی ریکارڈ کا حامل بھی بنا۔ اس کے علاوہ یہ شاہی محل بھی بنا۔

آج بھی اس میں نوادرات اور قومی اسلحے کا ذخیرہ موجود ہے۔



دُرھم کیتھیڈرل

برطانیہ کا عظیم ترین نارمن چرچ

کونٹی درھم میں بہنے والا دریا ویئر جہاں پر یو۔ٹرن لیتا ہے اس کے اوپر پہاڑی پر درھم کیتھیڈرل بڑی شان وشوکت کے ساتھ کھڑا ہے۔ اس وسیع اور خوبصورت اور متناسب عمارت کی تعمیر 1093ء میں شروع ہوئی تھی۔ اس کی تعمیر کا آغاز بشپ کیری لیف نے کیا تھا اور بقایا تعمیراتی کام بشپ فلیم بارڈ نے سرانجام دیا تھا۔

گلیلی پورچ سے قربان گاہ تک کا فاصلہ...... جو کہ نو قربان گاہیں کہلاتا ہے 120 میٹر (393 فٹ) ہے۔ پورچ میں بھی جاڑو خانقاہ کے مشہور راہب کا مقبرہ ہے۔ جس نے 753 بعد از مسیح اپنی وفات سے قبل برطانیہ کی ابتدائی تاریخ رقم کی تھی۔

تمام تر چرچ مسلسل محرابوں کا حامل ہے اور ان میں سے کچھ محرابیں شاید برطانیہ کی قدیم ترین محرابیں ہیں۔ اس کا عظیم کیتھیڈرل اس دور میں تعمیر کیا گیا تھا جبکہ نارمن کے بادشاہوں نے مضبوطی کے ساتھ اپنے قدم نہیں جمائے تھے۔ 1083ء میں خانقاہ کا درجہ حاصل کرنے کے بعد درھم کے اختیارات میں اضافہ ہوا اور بشپ کا رینہ فیوڈل لارڈ کے رتبے کے برابر تصور کیا جانے لگا۔ بالفاظ دیگر ایک جاگیردار کے رتبے کے مساوی تصور کیا جانے لگا...... وہ اردگرد کے علاقے کا نظام چلاتا تھا اور لوگوں کو ملازمتیں بھی مہیا کرتا تھا۔ ٹیوڈور کے دور میں ان اختیارات میں کمی سرانجام دے دی گئی تھی لیکن کچھ عرصے کے بعد کچھ حد تک اختیارات بحال کر دیئے گئے تھے۔ اس چرچ کا بشپ حکمران کی رسم تاجپوشی کی تقریب کے دوران اس کے دائیں جانب کھڑا ہوتا تھا جو ایک گراں قدر اعزاز تھا۔



قلعہ ونڈسر

برطانوی شاہی خاندان کا تاریخی گھر

پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانوی شاہی خاندان نے جذبہ حب الوطنی سے مغلوب ہو کر ونڈسر کا نام اختیار کر لیا تھا۔ یہ نیا نام اس لئے بھی زیادہ موزوں تھا کیونکہ ونڈسر شاہی خاندان کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ فاتح ولیم کو تھیمز کے کنارے شکار کے لئے جنگلات بہت پسند آئے اور اس نے وہاں پر لکڑی کی ایک قیام گاہ تعمیر کروائی۔ ہینری II نے مشہور گول مینار کی تعمیر کا کام شروع کروایا جو کہ قلعے کا ایک اہم خدوخال ہے۔ ایڈورڈ III نے عمارت کے بالائی حصے پر شاہی اپارٹمنٹ تعمیر کروائے۔ اس تعمیر کا کام ویک ھام جو کہ ونچسٹر کیتھیڈرل کا بانی تھا کے ذریعے پایہ تکمیل کو پہنچا۔

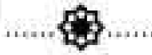
ہینری VIII نے شمالی دروازہ تعمیر کروایا اور مابعد چارلس II نے شاہی اپارٹمنٹ کی تعمیر نو سرانجام دی اور شمالی ٹیرس کو برقرار رکھا جہاں سے دریا کا نظارہ کرنا ممکن تھا۔ 19 ویں صدی میں ایک اور عمارت کا اضافہ کیا گیا جو کہ البرٹ میموریل خانہ گرجا تھا۔ قلعہ کی تمام تر عمارات میں سے سینٹ جارج کا خانہ گرجا شاید خوبصورت ترین ہے۔

یہاں پر بہت سے بادشاہ مدفون ہیں:۔

- ☆ ایڈورڈ IV
- ☆ ہینری VI
- ☆ ہینری VII
- ☆ ہینری VIII کی تیسری بیوی جین سیمور
- ☆ چارلس I
- ☆ ایڈورڈ VII
- ☆ ایڈورڈ VII کی بیوی الیگزینڈرا

یہ قلعہ دو بڑے برآمدوں یا وارڈوں کی شکل میں ڈیزائن کیا گیا ہے جن کو ایک گول مینار آپس میں ایک دوسرے سے علیحدہ کرتا ہے۔ مغربی یا نچلی وارڈ کرفیو...... گارٹر اور سالسبری میناروں کی حامل ہے اور بالائی وارڈ میں سینٹ جارج کا خانہ گرجا...... البرٹ میموریل خانہ گرجا واقع

ہے۔قلعہ ونڈسر کا حُسن اس میں سرانجام دیے گئے آرٹ کے عظیم کام میں مخفی ہے جو کہ ریوبن اور وین ڈیک نے سرانجام دیا تھا۔اس کے علاوہ دریائے تھیمز کے نزدیک واقع ایک بڑی پارک بھی اس کے حُسن میں اضافہ کرتی ہے۔



ونڈسر قلعے کی بائیں جانب

اگرچہ بہت عالیشان مینار مہیا کیئے گئے ہیں ...... لیکن ونڈسر قلعے کی دیوار بہت خوبصورت اور سجی سجائی ہے۔یہ دونوں گول مینار دریائے تھیمز کے اس پار سے دیکھے جا سکتے ہیں۔

بالائی حصہ

ونڈسر قلعہ ہنوز شاہی رہائش گاہ ہے۔یہ رہائشی کوارٹروں کا باہر جانے کا راستہ ہے۔

ونڈسر قلعے کی دائیں جانب

اس جنوبی منظر میں...... نچلی وارڈ میں سینٹ جارج کا خانہ گرجا دکھائی دیتا ہے۔

سینٹ پال کا کیتھیڈرل

لندن کی آگ سے جنم لینے والا ایک عجوبہ

موجودہ کیتھیڈرل کی تعمیر سے بیشتر اس جگہ پر کئی ایک چرچ موجود تھے۔ورین کے عظیم شاہکار کے معرض وجود میں آنے سے بیشتر یہاں پر گاتھ قوم کے طرز تعمیر کا حامل یورپ کا ایک شاندار چرچ موجود تھا(یہ طرز تعمیر یورپ میں 12ویں سے 16ویں صدی تک رائج تھا جس کی خصوصیت نوک دار محراب ہے)۔یہ چرچ الزبتھ اور کروم ویل کے دور میں زوال کا شکار ہوا تھا۔

کرسٹوفر ورین نے 1666ء میں پرانے سینٹ پال کی بحالی کے منصوبے بنا رکھے تھے۔یہ منصوبے اس نے لندن کی اس بڑی آگ کے لگنے سے بیشتر بنائے تھے جس نے گاتھ قوم کی عمارت کو پتھروں کے ایک ڈھیر میں تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ورین نے تعمیر نو کیلئے متعدد ڈیزائن پیش کئے بیشتر اس کے کہ نام نہاد "وارنٹ" ڈیزائن کو شرف قبولیت بخشا گیا۔اس معاہدے میں ایک شق شامل تھی جس کے تحت ورین کو یہ اجازت فراہم کی گئی تھی کہ وہ اپنے کام میں ترمیم سرانجام دے سکتا تھا اور یہ ترمیم کام سرانجام دینے کے دوران سرانجام دی جاسکتی تھی۔

1675ء میں نئی عمارت کی تعمیر کے کام کا آغاز ہوا اور بڑی عمارت کی تعمیر کا کام 1698ء میں اپنے اختتام کو پہنچا تھا اور تمام تر تعمیر کا کام 1710ء میں پایہ تکمیل تک پہنچا تھا۔

گنبد......جو کہ کیتھیڈرل کے لئے ایک تاج کی حیثیت رکھتا تھا اس کی تعمیر کیلئے ورین کو کافی سوچ بچار سے کام لینا پڑا۔وہ اسے کلاسیکل شکل دینے کا متمنی تھا۔لیکن حصول مقصد کیلئے اسے وزن کی مناسب تقسیم کا مسئلہ حل کرنا تھا۔اس مقصد کیلئے اس نے تین گنبدوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا......اندرونی گنبد معماری کے کام کی نوعیت کا حامل تھا......اس کے اوپر اس نے لکڑی کا ایک گنبد تیار کیا اور اس گنبد کے اوپر لکڑی اور سیسے کا بیرونی گنبد تیار کیا۔

اگرچہ ورین فتح یاب ہو چکا تھا لیکن اسے ہنوز مشکلات کا سامنا تھا۔ان میں سے بہت سی مشکلات معمولی نوعیت کی حامل تھیں جو تعمیراتی کام کی تکمیل سے متعلق تھیں۔پہلی دقت یہ پیش آئی کہ کیتھیڈرل کے جنگلے کی تعمیر کا ٹھیکہ جونز نامی ایک شخص کو دیا گیا تھا۔ورین نے اس ٹھیکے کو مسترد کر دیا۔اس شخص کو کیتھیڈرل کے فنڈ سے 1000 پاؤنڈ کی ادائیگی ہو چکی تھی۔اس کے بعد گنبد کے رنگ روغن کا کام جیمز تھرون ہل نامی شخص کے سپرد کیا گیا اور اس سلسلے میں ورین سے قطعاً مشورہ نہ کیا گیا۔یہ امور ورین کی ناراضگی کا باعث بنے اور اس نے کمیشن کے اجلاس میں جانا چھوڑ دیا۔لہٰذا اسے 1718ء میں تعمیراتی نگران کے کام سے سبکدوش کر دیا گیا۔

تمام تر مشکلات اور مسائل اور نئی اور نوجوان نسل کے اس کی اس عمارت کے عظیم ماہر تعمیر ہونے کی اتھارٹی کو چیلنج کے باوجود بھی ورین کو برطانیہ کے اس عظیم الشان چرچ کا تخلیق کنندہ تسلیم کیا گیا۔ورین نے بذات خود کئی دیگر کاریگروں کو خراج تحسین پیش کیا جنہوں سینٹ پال کی تخلیق کے دوران اپنی مہارت کا لوہا منوایا تھا۔



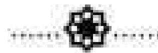
مونٹ سینٹ مچل

یہ گرجا ایک حیران کن جگہ پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کی تعمیر ایوبرٹ نے کروائی تھی۔ اس وقت یہ جزیرہ مونٹ ٹومب کے نام سے مشہور تھا۔ ایوبرٹ نے جو تعمیر شروع کروائی تھی مابعد وہ دنیا کے عجوبوں میں سے ایک عجوبہ ثابت ہوئی۔

اولین گرجا 1017ء اور 1144ء کے درمیان تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ گرجا ایک پرانے گرجے کے کھنڈرات پر تعمیر کیا گیا تھا۔ آئندہ تین صدیوں کے دوران مزید عمارات تعمیر کی گئیں۔ ان میں وہ مقامات بھی شامل تھے جو 1211ء اور 1228ء کے دوران اس گرجے کا حصہ بنے تھے۔ یہ جگہ ان ہزاروں زائرین کے سمانے کے لئے کافی ہے جو گرجے کو دیکھنے کیلئے آتے ہیں۔ یہ گاتھی طرز تعمیر کی عمارات "حیران کن" عمارات کہلاتی ہیں اور حقیقی معنوں میں گوتھی طرز تعمیر کا عجوبہ ہیں۔

انگلستان کے ساتھ ایک ہزار سالہ جنگ کے دوران بھی اس گرجے کی جانب جانے والی ٹریفک معطل نہ ہوئی تھی اور انگریز فوج کے دستے جو اس گرجا گھر کی اردگرد کی زمین پر قابض تھے وہ ان لوگوں کو محفوظ راستہ فراہم کرتے تھے جو گرجا گھر جانے کے خواہش مند ہوتے تھے۔ 14ویں صدی میں اس کے اردگرد ایک حفاظتی دیوار تعمیر کی گئی تھی۔ گرجے کا مشرقی حصہ جو کہ پادری کے لئے مخصوص تھا اس کے مسمار ہونے کے بعد اس کی جگہ ایک نیا حصہ تعمیر کیا گیا جو گاتھی طرز تعمیر کا حامل تھا۔

اس گرجے کے اردگرد ایک دیہات واقع ہے جو کہ گرجے کی حفاظتی دیوار اور سمندر میں گھرا ہوا ہے۔ ہزاروں زائرین اس گرجے کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور آج کل دوکانیں اور ریسٹورنٹ جدید زائرین کو کھانے پینے کی اشیاء فراہم کرنے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔



ایلی ڈی لا سائٹ

پرانے پریس کا دل

جس جزیرے پر اب نوٹرڈیم کھڑا ہے اس نے عرصہ دراز بیشتر ابتدائی ادوار کے انسان کو تحفظ مہیا کیا...... جس نے پیرس میں اپنی پہلی آبادکاری کی بنیاد رکھی۔ مابعد اہل روم جزیرے پر آن پہنچے اور انہوں نے سڑکیں اور مکانات تعمیر کئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے رومن تہذیب کے تمام نشانات اس پر ثبت کئے۔

نوٹرڈیم کیتھیڈرل کی تعمیر کا آغاز بشپ مورائس سلی نے 1163ء میں کیا۔ اس کی تعمیر کا آغاز اس مقام پر کیا گیا تھا جہاں پر پہلے ہی ایک گرجا موجود تھا۔ اس گرجے کی تعمیر کا پہلا پتھر پوپ الیگزینڈر II نے رکھا تھا۔ لیکن اس گرجے کے مینار 13 ویں صدی تک تعمیر نہ کئے گئے اس وقت سے لے کر انقلاب فرانس تک کیتھیڈرل پیرس میں مذہبی زندگی کا مرکز بنا رہا۔ مفکر پیٹر ایب لارڈ نے وہاں پر اپنی خدمات سرانجام دیں اور مابعد اس نے یونیورسٹی آف پیرس کی بنیاد رکھی اور اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔ 1789ء کے انقلاب کے دوران لوگوں کے گروہوں نے گرجے کی قوت و اختیارات کی علامت کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی اور اس عمارت کو نئے نام سے بھی نواز دیا۔ 19 ویں صدی میں وکٹر ہیوگو نے اپنی کتاب The Hunchback of Notre Dame میں قرون وسطیٰ کے دور میں کیتھیڈرل کی رومانوی زندگی کی تصویر کشی کی ہے۔

فرانس کے ابتدائی دور کے بادشاہ بھی اسی عمارت میں رہائش اختیار کرتے تھے اور فلپ دی فیئر نے محل کی تشکیل نو سرانجام دی جو کہ اب پیلس دی جسٹس کہلاتا ہے۔ اس کے نزدیک ایک جیل خانہ بھی واقع ہے جہاں پر بدقسمت میری اینٹوی بھی بند رہی تھی۔ وہ ان 2,600 افراد میں سے ایک تھی جن کو انقلابی ٹریبونل نے موت کی سزا سنائی تھی جو روزانہ محل کے گریٹ سول چیمبر میں اپنی کارروائی سرانجام دیتا تھا۔

سینٹ خانہ گرجا گھر کے ساتھ خوشگوار یادیں بھی وابستہ ہیں...... ایک خوبصورت گوتھی گرجا جو 1248ء سے محل کی سرزمین پر کھڑا ہے۔



دی چاٹیوڈی چینن سیوکس

ایک طلسماتی قلعہ جس کا ڈیزائن ایک عورت نے بنایا تھا

اس قلعے کی شان وشوکت اور عظمت کے علاوہ اس کی نفاست اور عمدگی عام پر مردانہ خصوصیات کے ساتھ منسلک کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس قلعے کی تعمیر 1513ء میں تھامس بوہڑ نے سرانجام دی تھی لیکن اس قلعے کے ڈیزائن کے پس پردہ بوہڑ کی بیوی کا ذہن کارفرما تھا اور اس نے اس عمارت کی تعمیر کی نگرانی بھی سرانجام دی تھی جبکہ اس کا خاوند تعمیراتی سرگرمیوں سے دور مصروف جنگ تھا۔ جب بوہڑ موت سے ہمکنار ہوا اس وقت وہ ریاست کا مقروض پایا گیا اور اس کے قلعے کو فرانسس I نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ یہ قلعہ چونکہ اب شاہی جائیداد کی حیثیت اختیار کر چکا تھا لہٰذا ہینری II نے اسے اپنی محبوبہ ڈیانی ڈی پوئیٹرز کو تحفے میں پیش کر دیا جو کہ خوبصورتی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی حالانکہ وہ عمر میں اس سے تقریباً بیس برس بڑی تھی۔

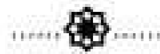
1559ء میں شاہی فن سپاہ گری کا ایک مظاہرہ دیکھتے ہوئے ہینری جب زخمی ہوا اور زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے موت سے ہمکنار ہوا تب اس کی بیوی کیتھرائن ڈی میڈی سی نے ڈیانی سے یہ قلعہ واپس لے لیا اور اس کے بدلے میں اسے ایک اور عمارت دے دی۔

کیتھرائن ڈی میڈی سی اٹلی کے آرٹ کی دلدادہ تھی۔ لہٰذا اس نے اس قلعہ کی تعمیر میں اپنے مزاج کے مطابق تبدیلیاں سرانجام دیں اور اس میں ایک گیلری کا اضافہ بھی کیا۔ اس دور کے دوران یہ قلعہ ایک شاندار سماجی زندگی کا ایک مرکز بنا رہا اور اس میں منعقد کی جانے والی تقریبات میں دیگر مشہور و معروف شخصیات کے علاوہ شاہی خاندان کی شخصیات بھی شرکت کرتی تھیں مثلاً میری سٹورٹ ...... فرانسس II ...... اور چارلس IX وغیرہ۔ وغیرہ۔

اس شاندار دور کے اختتام پذیر ہونے کے بعد یہ قلعہ شکست و ریخت اور زوال کا شکار ہونے لگا۔ ماسوائے 18ویں صدی کے دوران ایک مختصر دور کے دوران جبکہ اس قلعے کے مالک کی بیوی میڈم ڈیوپن نے اپنے اردگرد اس دور کی معروف علمی شخصیات کو اکٹھا کیا۔ ان علمی شخصیات میں جین جیکوئس روسیو بھی شامل تھا جو اس کے بیٹوں کا اتالیق تھا۔ تاہم 1864ء میں میڈم پیلوس ولسن نے اپنے آپ کو اس امر کے لئے وقف کر دیا کہ وہ قلعے کی سابقہ شان وشوکت واپس لائے گی۔

یہ قلعہ شاندار میناروں اور چمنیوں کا حامل ہے۔ قلعہ کی عمارت کے اردگرد باغات ہیں۔ ان میں سے ایک باغ ڈیئی ڈی پوئیٹر کے نام سے جانا جاتا ہے اور دیگر باغات کیتھرائن ڈی میڈی سی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

اس قلعے کی عمارت میں مجسموں اور پینٹنگ جات کا ایک وسیع ذخیرہ بھی موجود ہے۔ ان میں سے بہت سے مجسمے اور پینٹنگ جات کیتھرائن ڈی میڈی سی نے اٹلی سے منگوائی تھیں۔ یہ سب کچھ اس قلعے کے سابق مالکان کے بیڈ رومز کی زینت بنا ہوا ہے اور اس کے علاوہ یہ ایک بڑی گیلری کی زینت بھی بنا ہوا ہے جو 60 میٹر (197 فٹ) لمبی ہے اور جہاں سے دریا کا نظارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔



ورسیلیز

شاہی شان وشوکت کی علامت

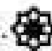
لیوس XIV کو اس کے وزیر خزانہ وو۔لی۔کومٹ نے اپنے گھر میں رات کے کھانے کی دعوت پیش کی اور یہی دعوت ورسیلیز کی تعمیر کا باعث ثابت ہوئی۔بادشاہ اپنے وزیر کی رہائش گاہ کے طرز تعمیر سے اس قدر ناراض ہوا کہ اس نے اپنے وزیر کو گرفتار کرلیا اور ماہر تعمیر لیوس۔لی۔وو کو حکم دیا کہ اس کے لئے ایک شاندار محل کی تعمیر کا بندوبست کرے۔

لہٰذا ورسیلز کی عمارت منظر عام پر آئی۔ایک عظیم الشان محل...... مغربی دنیا کا عظیم ترین محل...... انتہائی شاندار باغات میں گھرا ہوا محل...... لیکن لیوس کچھ اور بھی اپنے ذہن میں رکھتا تھا۔ورسیلیز پیرس سے تقریباً 25 کلومیٹر (16 میل) جنوب مغرب کی سمت پر واقع...... ایک انتہائی سجی سجائی جیل بھی ثابت ہوا جہاں پر بادشاہ فرانس کے شرفاء پر نظر رکھ سکتا تھا اور یہ یقین دہانی بھی حاصل کرسکتا تھا کہ وہ اس کی انتہائی تابعداری کرتے ہیں یا نہیں۔ورسیلیز لیوس XIII اور لیوس XIV کی دل پسند شکارگاہ بھی بنا رہا اور لیوس XIV نے اس کی تعمیر تو بھی سرانجام دی جو کہ ریاست کی سرزمین پر سرانجام دی گئی جہاں پر مشہور باغات لی نوٹری لگائے گئے اور ان کو مجسموں اور فواروں سے سجایا گیا۔لی وو نے وسیع پیمانے پر تعمیر نو 1668ء میں شروع کی۔محل درباری زندگی کا مرکز بن گیا اور درباریوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ سازشوں میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

محل کی جو شکل وصورت آج کل دکھائی دیتی ہے اس کی تعمیر میں جیولس۔ہارڈوئین مان سادت کا زیادہ عمل دخل ہے۔اس نے چھت کی طرز تعمیر کو اپنے نام کے ساتھ منسوب کیا اور یہ طرز تعمیر اس کی اپنی ایجاد تھی۔یہ مان سارت ہی تھا جس نے ورسیلیز کو عظیم گیلریوں...... خانہ گرجا اور عظیم باغات سے نوازا۔اس کی مزید توسیع کی ضرورت اس وقت محسوس کی گئی جب ورسیلیز شاہی رہائش گاہ کی بجائے حکومتی امور کی سرانجام دہی کے لئے استعمال ہونے لگا اور سرکاری افسران بھی درباریوں کے ہجوم کے ساتھ باہم آمیز ہوگئے۔

لیوس XIV نے جو تعمیراتی کام شروع کیا تھا اس کے جانشینوں نے اس کام کو جاری رکھا۔لیوس XV کے دور حکومت میں مزید تعمیراتی کام سرانجام دیا گیا۔لیوس XVI کے دور حکومت میں تعمیر میں مزید تبدیلیاں لائی گئیں۔

آج بھی اس عمارت کی شان وشوکت قائم ہے۔اس عمارت کے اندر بڑے بڑے اپارٹمنٹ ہیں۔ان کی سجاوٹ لی برن نے سرانجام دی تھی اور ان کے نام یونانی دیوی اور دیوتاؤں کے نام پر رکھے گئے ہیں مثلاً وینس...... ڈیانی...... مارس...... مرکری اور اپالو وغیرہ۔



ایفل ٹاور

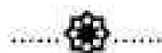
لوہے کے دور کا عظیم شاہکار

جب بنی نوع انسان کے علم میں یہ بات آئی کہ لوہے کے بڑے بڑے ڈھانچوں کو جوڑ کر کس طرح ایک عمارت کی شکل میں ڈھالا جاتا ہے اس وقت یورپ میں لوہے کے بڑے بڑے ڈھانچوں کی حامل عمارات کی تعمیر کی ایک لہر دوڑ اٹھی ۔ یہ 19 ویں صدی کا دور تھا۔ ایک ایسے فولادی ٹاور کی تعمیر کا خیال جس کی اونچائی 304.8 میٹر (1000 فٹ) ہو پہلے پہل کارنس مین رچرڈ ٹریوی تھک کے ذہن میں سمایا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے یہ مظاہرہ بھی کر کے دکھایا تھا کہ بھاپ کے انجن کو کس طرح ریل کی پٹریوں پر چلانا ممکن ہو سکتا تھا تا کہ اس سے باز برداری کا کام لیا جا سکے۔ اس ٹاور کے خیال کو اس وقت تک تقویت حاصل نہ ہو سکی حتیٰ کہ انجینئر الیگزینڈر گستاو ایفل منظر عام پر آیا۔ ایفل دنیا کا ایک مشہور و معروف ماہر تعمیرات تھا جو فولادی تعمیرات کے ضمن میں مشہور تھا۔ اس نے کئی ایک فولادی تعمیرات سر انجام دی تھیں ۔ 1889ء میں جب پیرس میں ایک نمائش کا اہتمام کیا گیا اس وقت ایفل کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ ایک ایسی تعمیر سر انجام دے جو فولادی تعمیر کا ایک عظیم الشان نظارہ پیش کرتی ہو۔ لہٰذا اس نے ایک ٹاور تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ 1886ء میں اس ٹاور کی تعمیر کی تیاریوں کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ پتھروں پر مبنی اس کی بنیادیں رکھ دی گئی تھیں۔ 40 ڈرافٹسمین اس ٹاور کے مختلف حصوں کی تفصیلی ڈرائنگیں تیار کرنے میں مصروف تھے اور ایک فیکٹری ان فولادی حصوں کی تیاری کے لئے روبہ عمل ہو چکی تھی۔

جوں ہی مئی 1889ء میں نمائش کے افتتاح کا وقت قریب آیا توں ہی ٹاور کی تعمیر کا کام زیادہ جوش' جذبے اور ولولے کے ساتھ سر انجام دیا جانے لگا۔ اگرچہ سردی اپنے جوبن پر تھی لیکن اس کے باوجود بھی سینکڑوں کاریگر لوہے کے گارڈروں کو آپس میں جوڑنے میں مصروف تھے اور اس کام کو مکمل کرنے کیلئے ڈیوٹی کے اوقات کار سے زائد اوقات تک کام سر انجام دے رہے تھے۔ پہلے چار دیو قامت فولادی ٹانگیں نصب کی گئیں اور ان کا آپس میں رابطہ قائم کیا گیا۔ 57.9 میٹر (190 فٹ) کی بلندی پر ایک پلیٹ فارم تعمیر کیا گیا۔ اس پلیٹ فارم پر ٹاور کا دوسرا حصہ تعمیر کیا جانا تھا۔ یہاں سے دوسرے پلیٹ فارم کی تعمیر تک کا تعمیراتی کام سر انجام دیا گیا۔ دوسرا پلیٹ فارم 115.8 میٹر (380 فٹ) کی بلندی پر تعمیر کیا گیا اور تیسرا پلیٹ فارم 272.7 میٹر (895 فٹ) کی بلندی پر تعمیر کیا گیا۔ اس کے اوپر ٹاور کا گنبد تھا۔ اس مینار میں لفٹیں بھی نصب کی گئیں اور مارچ 1889ء میں ایفل نے اس ٹاور پر فرانس کا جھنڈا لہرایا۔

اس طرح دنیا کے مشہور ترین فولادی ٹاور کی تعمیر کا کام اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس ٹاور کی تعمیر سے لے کر اب تک لاکھوں لوگ اس ٹاور کو دیکھ چکے ہیں۔ یہ ٹاور فرانس کی عظمت کی ایک علامت ہے۔ جب یہ ٹاور مکمل ہوا اس وقت یہ دنیا کی بلند ترین عمارت تھا۔ اس کی تعمیر کے دوران اور تعمیر

مکمل ہونے کے بعد بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو اس تعمیر کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اور اسے ناپسند کرتے تھے۔ لیکن ایسے لوگ تعداد میں ازحد قلیل ہیں۔ بہت سے لوگ اس نکتہ نظر سے اتفاق کرتے ہیں کہ ایفل ٹاور کے بغیر پیرس بالکل اسی طرح ہے جس طرح پیرس کے بغیر فرانس۔



ایفل ٹاور کے بارے میں حقائق

اونچائی

320 میٹر (1040 فٹ)

وزن

700 ٹن

اس کی چوٹی سے 90 کلومیٹر (55.9 میل) کی دوری تک دیکھنا ممکن ہے۔

سنٹر جارجس پومپیڈو

شیشے کا ایک محل

قدیم پیرس کے وسط میں شیشے کا ایک محل کھڑا ہے جو شہر کی تہذیب اور ثقافت کا ایک مرکز بنا ہوا ہے۔ اس میں اسٹوڈیو اور بوتیک کے لاوہ دستکاروں کی دوکانات بھی موجود ہیں۔ اس کی تعمیر میں شیشہ اور دھات استعمال کی گئی ہے جو 20 ویں صدی کا ایک حسین امتزاج ہے۔

اس عمارت میں میوزک...... لٹریچر...... پینٹنگ اور سینما وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔ اس سنٹر کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے کسی بھی کسی کے آرٹ (فن) کو نظر انداز نہیں کیا۔ اس کے علاوہ اس میں خصوصی مطالیاتی سنٹر بھی موجود ہیں۔ ان میں موسیقی کی تحقیق اور منصوبہ بندی کا انسٹی ٹیوٹ بھی شامل ہے۔ ایک لائبریری بھی موجود ہے جو لاکھوں کتابوں کی حامل ہے۔ اس کے علاوہ اس لائبریری میں فلمیں...... ریکارڈ...... اور مائیکرو انڈکس کارڈ بھی موجود ہیں۔

اس کا جدید آرٹ میوزیم 20 ویں صدی کے تمام تر آرٹ اور فن کی نمائندگی کرتا ہے...... وہ آرٹ اور فن جس نے اس میدان کے پرانے رسم ورواج میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں اور تمام تر دنیا کے اس نکتہ نظر کو تبدیل کر کے رکھ دیا جس نکتہ نظر کے تحت وہ اس سے پیشتر زندگی کو دیکھتے تھے۔

سنٹر پومپیڈو کی تخلیق کے پس پشت یہ ارادہ کارفرما تھا کہ اس سنٹر کے دیکھنے والوں کو وہ ماحول فراہم کیا جائے جہاں پر انہیں دیگر لوازمات کے علاوہ کھانے پینے اور تفریح وطبع کا دیگر سامان میسر آسکے۔

وادیِ رینی

ایک افسانوی وادی

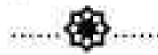
وادی رینی ویز بیڈن تا کوب لینز پھیلی ہوئی ہے۔ کسی دور میں یہ وادی برگنڈی کی طاقت ور ریاست کا ایک حصہ تھی۔ یہ علاقہ ایسے قلعہ جات پر مشتمل ہے جو پہاڑیوں پر تعمیر کئے گئے ہیں۔

اس وادی میں بہنے والا دریا کسی دور میں بحری سفر کرنے والوں کے لئے دہشت کا سامان مہیا کرتا تھا۔ یہ خطرات محض قدرتی خطرات نہ تھے......محض فطری خطرات نہ تھے بلکہ ڈاکو اور لٹیرے اکثر لوگوں کو اپنی لوٹ مار کا نشانہ بنا لیتے تھے اور ان لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے جو نقد رقوم اور گراں قدر اشیاء ان کے حوالے کرنے سے ہچکچاتے تھے۔

اس وادی میں قلعوں کی بھی بہتات ہے۔ یہاں پر ایک ٹاور بھی ہے جو کسی دور میں بشپ ہاٹو کی ملکیت تھا۔ اس نے ایک قحط کے دوران اپنے لوگوں کی شکایات کا ازالہ کچھ یوں کیا کہ انہیں غلہ ذخیرہ کرنے والی ایک کوٹھری میں بند کر کے آگ لگا دی۔ تاہم اس کے غلے کے اپنے ذخیرے پر چوہوں اور چوہیوں نے ہلا بول دیا جو کہ اردگرد کے کئی میلوں کے فاصلے سے سمٹ آئے تھے اور انہوں نے پہلے اس کا غلہ کھایا اور مابعد اسے کھایا۔ پہاڑیوں کے دامن میں انگوروں کے باغات ہیں جن سے اس وادی کی مشہور شراب تیار کی جاتی ہے۔

پفالز کے مقام پر ایک اور قلعہ ہے جس کی آمدنی کا ذریعہ وہ ٹول ٹیکس تھا جو دریا میں سفر کرنے والے مسافروں سے وصول کیا جاتا تھا۔ یہاں پر برگ کاٹز اور برگ ماؤس کے قلعے بھی واقع ہیں۔

کوب لینز کے نزدیک مارکس برگ کے مقام پر اس وادی کا ایک اہم ترین قلعہ واقع ہے جو اس وادی کے تمام تر قلعوں میں اہم اہمیت کا حامل تصور کیا جاتا ہے۔ یہ وہ قلعہ ہے جو کسی نقصان سے دوچار ہونے سے محفوظ رہا اور یہ قرون وسطیٰ کے دور کی ایک کامل ترین مثال ہے۔



وادی رینی کے بارے میں حقائق

ویز بیڈن تا کوب لینز

110 کلومیٹر (68.35 میل)

بڑے گاؤں

جوہانس برگ......پفالز......رین سٹین......ریک سٹین......سٹالک......

برگ کاٹز......برگ ماؤس......مارکس برگ......لان نیک......سٹونزن فیلس۔

کلون کیتھیڈرل

قرونِ وسطیٰ کے جرمنی کی روح

کلون کیتھیڈرل کی تعمیر 1248ء میں ہوچنساڈن کے آرک بشپ کونارڈ نے شروع کی تھی۔ لیکن 1880ء تک اس کی تعمیر کا کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچا تھا۔ اس کی تعمیر کے حقیقی ڈیزائن پر حرف بہ حرف عمل کیا گیا تھا تاکہ اس کی تعمیر گاتھی طرزِ تعمیر کے نظریے کے تحت پایہ تکمیل تک پہنچائی جا سکے۔

جب سے لوگوں نے رینی کے ساحل کے ساتھ آباد ہونا شروع کیا تھا اس وقت سے کلون کی اہمیت دوچند ہوگئی تھی۔ اہل روم اسے فوجی یا جنگی حکمت عملی کے لحاظ سے انتہائی اہم گردانتے تھے کہ انہوں نے وہاں پر ایک کالونی قائم کردی حتیٰ کہ 19 ویں صدی آن پہنچی اور اس مقام پر ایک گرجا تعمیر کیا گیا جس مقام پر آج کیتھیڈرل کھڑا ہے۔ یہ آرک بشپ ہل ڈی بولڈ کی کاوش تھی جو عظیم شہنشاہ چارلی میگنی کا پادری تھا۔ اس کا گرجا اس قدر خوش قسمت واقع ہوا تھا کہ وہ تین دانش وروں کے قبضے میں رہا۔ ان لوگوں کو ڈاسل آرک بشپ رینالڈ نے چرچ کو پیش کیا تھا جو باربروسا کا چانسلر تھا اور انہیں میلان سے لایا تھا۔ ایسے اہم اشخاص کی ملکیت نے کلون گرجا گھر کی اہمیت دوچند کردی اور یہ شاہی گرجا گھر کی حیثیت اختیار کر گیا۔

رینی تب یورپ کے درمیان رابطے کی ایک شہ رگ تھی۔ اس کا بحری رابطہ مشرق اور کلون کے تجارتی بحری رابطوں سے تھا۔ اس طرح یہ ایک اہم تجارتی مرکز تھا اور یہاں پر مشرق سے مصالحہ جات اور شمال سے اون اور لینن لائی جاتی تھی۔ امریکہ کی دریافت کے بعد اس کی تجارتی اہمیت میں ازحد کمی واقع ہوئی اور یہی وجہ تھی کہ کیتھیڈرل پر تعمیراتی کام رک گیا تھا جس کے آرک بشپ نے جرمنی کے بادشاہ کی تاجپوشی کی تھی۔

اگرچہ 14 ویں 15 ویں اور 16 ویں صدیوں کے دوران کچھ تعمیراتی کام سرانجام دیا گیا لیکن اس تعمیراتی کام کی بدولت عمارت میں توسیع ممکن نہ ہوسکی۔ مغربی ٹاور میں دو منزلوں کا اضافہ کیا گیا۔

19 ویں صدی کے ابتدائی دورانیے تک مزید کوئی تعمیراتی سرگرمی سرانجام نہ دی گئی اور کلون کے لوگوں نے یہ مطالبہ کرنا شروع کردیا کہ نامکمل عمارت کی تعمیر کو مکمل کیا جائے۔ گوئٹے...... جرمن کے مشہور رومانوی شاعر اور لکھاری نے عمارت کی تعمیر مکمل کرنے کے حق میں آواز بلند کی اور اس کے اثرورسوخ کی بدولت ایک مرتبہ پھر تعمیراتی کام کا آغاز ہوا۔ اس مرتبہ عمارت کی تعمیر اس انداز میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی جس انداز کو اس کے ڈیزائن کرنے والوں نے منتخب کیا تھا۔ اس کے دو میناروں کی تعمیر اپنے اختتام کو پہنچی جن کی اونچائی 157 میٹر (515 فٹ) تھی۔ گرجے کی لمبائی 137 میٹر (448 فٹ) تھی۔

یہ گرجا دنیا کے عظیم ترین گرجوں میں سے ایک ہے۔ کلون محض اپنی وسعت اور سائزہ کے اعتبار سے ہی مشہور نہیں ہے۔ بلکہ اپنی روشنیوں اور اپنے طرز تعمیر کی شان و شوکت کے اعتبار سے بھی مشہور ہے۔ یہ وہی طرز تعمیر ہے جو اس کی تعمیر کے لئے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرون وسطیٰ کا جذبہ اس انداز سے اس تعمیر میں ڈھالا گیا تھا کہ وہ ایک قابل ذکر کامیابی کی بنیاد ثابت ہوا۔

کلون کیتھیڈرل کے بارے میں حقائق

اونچائی

161 میٹر (528 فٹ)

اندرونی اونچائی

61 میٹر (200 فٹ)

لمبائی

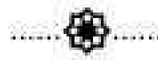
137 میٹر (448 فٹ)

نیوسچ وینسٹن قلعہ

ایک خبطی بادشاہ کا طلسماتی محل

باواریا کا لڈونگ II اگرچہ پاگل نہ تھا مگر غیر معمولی طور پر خبطی ضرور واقع ہوا تھا۔ وہ ایک نوجوان بادشاہ تھا جو 18 برس کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس کی رعایا اس سے ازحد پیار اور محبت کرتی تھی۔ وہ آرٹ کے معاملے میں ازحد حساس واقع ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ رچرڈ ویگنز کا نہ صرف مداح تھا بلکہ اس کا حمائتی بھی تھا۔ لیکن وہ اس اہلیت کا حامل نہ تھا جس اہلیت کا مظاہرہ حکمران اپنی آزمائش اور امتحان کے دور میں کرتے ہیں۔ جب روس نے متحدہ آسٹرو۔ باوارین افواج کو 1866ء میں ساڈووا کے مقام پر شکست سے دوچار کیا...... لڈونگ نے حقائق سے نظریں چرانے کی خاطر نہ صرف موسیقی میں پناہ حاصل کی بلکہ قلعہ جات کی تعمیر کی جانب بھی متوجہ ہوا۔ ان قلعوں میں سے نیوسچ وینسٹن کا قلعہ ایک قابل ذکر قلعہ ہے۔ اس قلعے کا نقشہ کسی ماہر تعمیر نے تیار نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایسے شخص نے تیار کیا تھا جو تھیٹر سجانے کے کام سے منسلک تھا اور اس قلعے کا اندرونی حصہ اس کے بیرونی حصے کی طرح ایک اسٹیج کے سیٹ کا منظر پیش کرتا ہے۔ سجاوٹ کے اعتبار سے اس کے کمرے طلسماتی کمروں کا روپ دھار چکے تھے۔

لڈونگ اس قلعے سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہ ہو سکا کیونکہ وہ محض 102 یوم تک اس قلعے میں رہائش اختیار کر سکا۔ وہ اسی قلعے میں رہائش پذیر تھا جبکہ 1886ء میں اسے تخت سے معزول کر دیا گیا۔



رومن فورم

قدیم دنیا کا مرکز

800 بعد از مسیح سے لیکر ایک ہزار برس سے زائد عرصہ تک روم کے شہر کے مرکز کو شکست و ریخت کا شکار رکھا گیا۔ اس کے پتھر کے تختوں میں خودرو گھاس اُگ چکی تھی۔ عمارت کا سنگ مرمر جلا کر چونا حاصل کیا جاتا رہا تھا۔ 18 ویں صدی میں قدیم روم میں دلچسپی دوبارہ عود کر آنے کی بدولت اس تباہ شدہ عمارت کی بنیادوں کی کھدائی کی گئی اور اس کی کچھ سابقہ شان و شوکت کو بحال کرنے کی کوشش بھی سرانجام دی گئی۔ آثار قدیمہ کے ماہرین اور مفکرین نے اپنے فرائض بخوبی سرانجام دیے اور جدید روم کا معائنہ کرنے والے مہمانوں کیلئے اس امر کو ممکن بنایا کہ وہ قدیم شہر کی طرز زندگی کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ جان سکیں۔

روم کے کھنڈرات میں سے اولین کھنڈرات رومن فورم کے ہیں۔ یہ فورم اس زمین پر تعمیر کیا گیا تھا جو کیپیٹو لائن اور پالاٹائن کی پہاڑیوں کے درمیان واقع تھی۔ اولین عمارات تارکوئن بادشاہوں کے دور میں تعمیر کی گئی تھیں۔ عبادت گاہیں...... دوکانیں اور کونسل چیمبرز تین مختلف مقامات پر واقع تھے جو کہ آبادی کے مذہبی...... سیاسی اور کاروباری پہلوؤں کی نمائندگی کرتے تھے۔ ابتدائی عمارات کی باقیات میں لاپس نیگر...... سیاہ تختوں کا فرش جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مذہبی سپاٹ کو ظاہر کرتا تھا کہ علاوہ رومولس کا مقبرہ بھی شامل ہے جو روم کا معاون بانی تھا۔ لاپس نیگر کے نزدیک ایک پرانے پلیٹ فارم کی باقیات بھی موجود ہیں جہاں سے اس دور کے حکمران اپنی رعایا سے خطاب کرتے تھے۔ جوں جوں رومن سلطنت بڑھتی گئی توں توں فورم بھی اپنے سائز میں بڑھتا چلا گیا۔ سینٹ ہاؤس (موجود سینٹ ہاؤس جیولس قیصر نے تعمیر کروایا تھا) حکومت کا مرکز بن گیا تھا۔ عدالتی ساعتیں اور عوامی اجلاس بھی منعقد ہوتے تھے۔ وینس...... محبت کی دیوی...... مارس...... جنگ کا دیوتا کیلئے عبادت گاہیں بھی تعمیر کی گئی تھیں۔

آگسٹس قیصر کے دور تک رومن فورم ایک شاندار جگہ تھی جو کہ سنگ مرمر کی عمارات سے بھری پڑی تھی جن میں روم کی تمام تر آبادی خرید و فروخت اور کبھی کبھار اپنے حکمرانوں کو دیکھنے کے لئے اکٹھی ہوتی تھی اور کبھی کبھار ان واقعات کو دیکھنے کے لئے بھی اکٹھی ہوتی تھی جو کسی نہ کسی سیاسی بحران کی پیداوار ہوتے تھے۔ یہاں پر لوگوں کے سامنے اس مال غنیمت کی بھی نمائش کی جاتی تھی جو دوران جنگ ہاتھ لگتا تھا تا کہ اہل روم اپنی طاقت و قوت سے آگاہ ہو سکیں۔

شہنشاہوں کے دور حکومت میں مزید فورم بھی تعمیر کئے گئے تھے جو ان کے اعزاز میں تعمیر کئے گئے تھے۔ ان میں اہل روم کے لئے تفریح طبع کے سامان بھی مہیا کئے جاتے تھے۔ مثلاً اسٹیڈیم جہاں پر گاڑیوں کی دوڑ کے علاوہ کھیلوں کے مقابلے بھی منعقد ہوتے تھے جن کو آگسٹس کے محل سے دیکھا جا سکتا تھا۔



پومپی

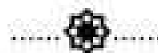
دفن شدہ شہر

79 بعد از مسیح...... پومپی میں زندگی اچانک موت میں تبدیل ہوگئی۔ آتش فشاں پہاڑ آگ اگلنے لگا...... سیاہ دھواں چاروں جانب پھیل گیا۔ آبادی کی اکثریت خوف وہراس کا شکار ہوگئی۔ کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو اپنے گھروں میں بند کرلیا۔ وہ یہ امید رکھتے تھے کہ مصیبت کی یہ گھڑی بالآخر ٹل جائے گی...... لیکن وہ بھی بچ نہ سکے اور زہریلے دھوئیں کے اثرات کی بدولت موت سے ہمکنار ہوگئے۔ ان کی لاشیں زیرزمین دب کر رہ گئیں اور 1600 برس تک زیرزمین دبی رہیں۔ اس سانحہ کا ریکارڈ ایک رومن لکھاری پلنی دی ینگر نے رکھا جو بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور ایک محفوظ مقام پر کھڑا تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چچا پلنی دی ایلڈر دیگر شہریوں کے ہمراہ موت سے ہمکنار ہوچکا تھا۔ آج لوگ اس قصبے کا اختتام دیکھ سکتے ہیں جس کو گراف کی مدد سے بیان کیا گیا ہے۔

18 ویں صدی میں پومپی کی کھدائی کا کام شروع ہوا اور اس کھدائی کے نتیجے میں روم کے اس قصبے کی جس زندگی کا انکشاف ہوا وہ کسی بھی لکھے گئے لفظ سے بہتر طور پر جانا جاسکتا تھا۔ جوں ہی آتش فشاں پہاڑ کی راکھ کو کھود کر عمارات کو باہر نکالا گیا ماہر آثار قدیمہ کو وہ دوکانیں دیکھنے کو ملیں جن میں ڈبل روٹی...... مچھلی...... گوشت...... دالیں اور دیگر اشیائے خورد ونوش کی باقیات موجود تھیں۔ اس کے علاوہ عوامی غسل خانے...... کھیلوں کے مقامات اور تھیٹر وغیرہ بھی منظر عام پر آئے۔ کھدائی کی بدولت برآمد ہونے والی عمارات سے اس قصبے کے مکینوں کی شاندار طرز زندگی کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا۔ ان کے مکانات کھانے کے کمروں...... رہائشی کمروں اور سونے کے کمروں پر مشتمل تھے۔

پومپی میں قصبے کی زندگی کا مرکز فورم تھا۔ اس میں عوامی عمارات...... عبادت گاہیں تھیں اور بادشاہوں کے مجسمے بھی نصب تھے۔ قصبے کی سیاسی زندگی کے آثار بھی ملے تھے۔ دیواروں پر سیاسی نعرے درج تھے۔

پومپی کے نزدیک ہی ایک اور آبادی آتش فشاں پہاڑ کا شکار بنی تھی۔ یہ آبادی آتش فشاں پہاڑ کے لاوے سے تباہی سے ہمکنار نہ ہوئی تھی بلکہ کھولتی ہوئی گیلی مٹی (کیچڑ) سے تباہی سے ہمکنار ہوئی تھی جو مکانوں پر برسی۔ یہ کھولتے ہوئے لاوے کی نسبت مکانات کی تباہی کا کم باعث ثابت ہوئی تھی۔ اس مٹی نے مکانات کو محفوظ بنا دیا تھا جو کہ اب اپنی اصلی حالت میں واپس لائے جاچکے ہیں جو اٹلی میں دو ہزار برس بیشتر گزاری جانے والی زندگی کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔



وینس

پانی پر تعمیر شدہ ایک شہر

یہ کہا جا سکتا ہے کہ وینس دنیا میں ایک انتہائی غیر معمولی نوعیت کا حامل شہر ہے جو کہ تقریباً ایک ہزار جزیروں پر تعمیر کردہ ہے۔

پہلے پہل اس شہر کی تعمیر سلطنت روم کے زوال کے بعد سرانجام دی گئی جبکہ مین لینڈ کے رہائشی وحشی حملہ آوروں کے خوف سے جزیرہ ٹورسیلو کی جانب فرار ہو گئے تھے...... وینس بڑی تیزی کے ساتھ ایک اہم تجارتی بندرگاہ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس پر گوتھی محل سے ڈوج اور اس کی کونسل حکمرانی کے فرائض سرانجام دیتی تھی۔

ڈوج کے محل کے پیچھے سینٹ مارک کا گرجا گھر ہے جو کہ 9ویں صدی میں تعمیر کیا گیا تھا اور جلد ہی وہ ان خزانوں کا گودام بن گیا تھا جو صلیبی مجاہد مشرق سے واپس لاتے تھے۔ یہ گرجا عیسائیت کے امیر ترین گرجوں میں سے ایک ہے۔ لیکن وینس میں اس کے حریف بھی موجود ہیں ...... فراری کا گرجا...... سان گوواتی کا گرجا۔

تجارتی انجمنوں اور تاجر شہزادوں نے گرینڈ کینال کے ساتھ ساتھ اپنے محلات تعمیر کروائے۔ اس حیران کن شہر میں بہت سے امیر کبیر لوگ بستے ہیں اور یہ تمام تر لوگ وینس میں رہائش پذیر نہیں ہیں۔ مورانو میں لاگون کے پار مشہور گلاس ورکس ہیں اور بورانو میں ماہی گیر اپنی تجارتی سرگرمیاں سرانجام دیتے ہیں۔

اس رنگین دنیا کا مرکز سینٹ مارک کا اسکوائر ہے۔ 1902ء میں یہ تباہی سے ہمکنار ہونے پر دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔

❁

وینس کے بارے میں حقائق

وینس 6.47 کلومیٹر (2½ میل) لمبائی کا حامل ہے...... اس میں 177 نہریں ہیں اور 400 پُل ہیں۔

یہ پانچ ملی میٹر سالانہ (¼ انچ سالانہ) کی شرح سے ڈوب رہا ہے۔

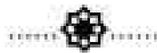
اسسی

ھوم آف سینٹ فرانس

اسسی قرون وسطیٰ کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ 14 ویں صدی تک اس کو ایک زیارت گاہ کا درجہ حاصل رہا اور یہ فرانسس مسلک کا مرکز بھی رہا۔

نوجوان سینٹ فرانس ...... فرانسسکو ایک خوشحال گھرانے کا چشم و چراغ تھا اور ایک بے فکرا نوجوان تھا بیشتر اس کے کہ وہ اپنی حقیقی صلاحیت سے آشنا ہوتے۔ اسے کئی ایک الہام ہوئے اور ایک الہام کے بعد اس نے اپنی تمام ذاتی دولت سے دست برداری اختیار کرتے ہوئے فرانسسکن مسلک کی بنیاد رکھی۔ پاکدامنی ...... پاکیزگی ...... تابعداری اور غربت اس مسلک کی بنیاد تھی۔ وہ ایک اچھا منتظم ہونے کے علاوہ ایک شاعر بھی تھا۔ اس نے اہل روم کو اس امر پر قائل کیا کہ وہ اس کی تحریک کو تسلیم کریں۔ اس کی کوششوں سے اسسی میں کئی ایک گرجے منظر عام پر آئے جو اب بھی اس قصبے کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ سینٹ فرانس کا بیزی لیکا اسسی میں ایک اہم ترین عمارت ہے (بیزی لیکا...... اہل روم ایک بڑے اور مستطیل شکل کے حال کو کہتے تھے جو عدالتی اور کاروباری مقاصد کے لئے استعمال ہوتا تھا...... ان میں سے بہت سے ہال بعد میں عیسائی گرجوں میں تبدیل کر دیے گئے تھے)۔ یہ عمارت دو چرچوں پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے کے اوپر بنے ہوئے ہیں۔

نیچے وادی میں سینٹ ماریا ڈگلی انجیلی کا چرچ ہے جو 16 ویں صدی میں تعمیر کیا گیا تھا۔

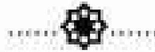


سکرووجنی خانہ گرجا

گوتھی طرزِ تعمیر کا شاہکار

دنیا کی مکمل ترین اور کامل ترین سجاوٹ کی حامل یہ عمارت گذشتہ صدی کے دوران اپنی تباہی و بربادی کے عین قریب تھی۔ لیکن آرٹ کے دلدادہ افراد کے احتجاج اور ان لوگوں کے احتجاج جنھوں نے دی ٹائمز میں احتجاجی مراسلے رقم کیے کی وجہ سے 14 ویں صدی کی اس شاہکار عمارت کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کرلیا گیا۔

یہ خانہ گرجا ب آرینا کے نام سے جانا جاتا ہے کیونکہ یہ گرجا اور وہ گھر جس سے یہ متعلق ہے رومن تھیٹر کی باقیات پر تعمیر کیا گیا تھا اور اس کو این ریکو سکرووجنی نے تعمیر کروایا تھا۔ اس نے اس کی تعمیر کے لئے ایک معروف آرٹسٹ کی خدمات حاصل کی تھیں جس سے یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے کہ سکرووجنی ایک عمدہ ذوق کا حامل ذہین شخص تھا۔ وہ ایک امیر آدمی تھا۔ اس نے لوگوں کی روحانی تسکین کا سامان کیا تھا۔



ویٹیکن سٹی

عیسائی مذہب کا مرکز

اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی نے 1929ء میں ویٹیکن کو ایک ریاست کا درجہ عطا کیا تھا۔ کیتھولک عیسائیت کا روحانی گھر ہونے کی وجہ سے ویٹیکن کی لاکھوں کی تعداد کی حامل رعایا دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان کے لئے اور غیر کیتھولک عیسائی دونوں کے لئے ویٹیکن عیسائی دنیا کے ایک مرکز کی اہمیت کا حامل ہے۔

اس مقدس شہر کی اہم خصوصیت سینٹ پیٹر کا کیتھیڈرل ہے۔ یہ روئے زمین پر دنیا کی ایک اہم ترین روحانی عمارت ہے۔ 90 بعد از مسیح میں پوپ اناکلیتس نے اس جگہ پر ایک معمولی سی یادگار تعمیر کی جس جگہ پر سینٹ پیٹر کو اس کی شہادت کے بعد دفن کیا گیا تھا۔ مابعد رومن شہنشاہ جس نے عیسائیت کو اہل روم کا مذہب قرار دیا تھا اس نے اس مقام پر ایک بڑا ہال تعمیر کروایا۔

موجودہ عمارت 15 ویں صدی کی تعمیر کردہ ہے جبکہ پوپ جیولس II نے یہ فیصلہ کیا کہ عیسائیت کو ایک ہیڈ کوارٹر کی ضرورت درپیش تھی تا کہ وہ اپنے وجود کو برقرار رکھ سکے اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک نئے چرچ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا۔ اس چرچ کی تعمیر کی تکمیل میں تین صد برس کا عرصہ صرف ہوا اور اس دوران مسلسل یہ بحث مباحثہ سرانجام پاتا رہا کہ اس چرچ کو کیسی شکل وصورت عطا کی جانی چاہئے۔ بالآخر اس چرچ کو وہ شکل عطا کی گئی جس کو ہم آج کل دیکھ رہے ہیں۔

کیتھیڈرل کی اندرونی زیبائش اور سجاوٹ اس دور کے عظیم فن کاروں نے سرانجام دی۔ عجائب گھر...... جو کبھی پوپ کا محل ہوتے تھے ...... ان عجائب گھروں نے ویٹیکن کے عجوبوں کو مزید عظمت اور شان وشوکت بخشی۔ یہاں پر لاتعداد عجائب گھر موجود ہیں اور کچھ عجائب گھروں میں دنیا کے عظیم ترین خزانے محفوظ ہیں۔ کتب...... پینٹنگ جات...... مجسمے...... سائنسی آلات...... فرنیچر اور نقشے وغیرہ۔ وغیرہ...... ان میں سے کچھ اشیاء عطیات کے طور پر ان عجائب گھروں کی زینت بنی تھیں اور کچھ اشیاء اور نوادرات بادشاہوں...... شہنشاہوں اور مشنریوں نے اکٹھے کیے تھے۔ دنیا بھر سے لوگ اس شہر میں آتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔



شہر ایتھنز کا بالا حصار

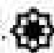
ایتھنز کا ایک عظیم شاہکار

14 ویں صدی قبل از مسیح کے اختتام تک ایتھنز پرشین حملوں سے محفوظ بنایا جا چکا تھا اور ڈی لیئن لیگ ٹوٹنے کے خطرے سے دوچار تھی۔ یہ لیگ ایتھنز کی سربراہی کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ اس لیگ کے اراکین کو زمانہ امن میں متحد رکھنے کی غرض سے ایتھنز نے اہل ایتھنز کی دولت کو تجارتی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی کوشش کی اور تمام تر تجارتی خسارے اور خراج کی سیٹلمینٹ کیلئے ہر چار برس بعد ایک عظیم پان ایتھنیا میلہ منعقد کرنے کا بندوبست کیا۔ شہر کے اس عظیم اجتماع کیلئے بالا حصار کی تعمیر نو کے احکامات جاری کئے گئے جو کہ 480 قبل مسیح میں پرسیشن نے تاخت و تاراج کر کے رکھ دیا تھا اور مابعد جزوی طور پر اس کی تعمیر کی گئی تھی۔ اس تعمیراتی منصوبے کا اہم ترین منصوبہ ایک عظیم عبادت گاہ کی تعمیر تھی جہاں پر ایتھینا دیوی کا مجسمہ نصب کرنا درکار تھا۔ جن ماہر تعمیرات نے اس ذمہ داری کو نبھانا تھا ان کے نام ایائی نس اور کیلی کریٹس تھے۔ عمارت 438 قبل مسیح میں وقف کی گئی لیکن وہ اپنے مقصد کو نہ پا سکی کیونکہ یونانی تہذیب انحطاط کا شکار تھی اور یونانی شہری ریاستوں کو متحد رکھنا ایک اہم مسئلہ تھا۔

مابعد آنے والی صدیوں کے دوران اس عبادت گاہ نے کئی ایک کردار سرانجام دیئے تھے۔ بطور بزنطینی چرچ...... بطور کیتھولک چرچ اور حتیٰ کہ بطور ایک مسجد۔ 1867ء میں بالا حصار آتش زدگی کا شکار ہو گیا اور اسے سخت نقصان پہنچا اور لارڈ ایلگن جیسے لوگوں کی جدوجہد رنگ لائی جس نے تباہ شدہ مجسمے لندن میں برطانوی عجائب گھر کے حوالے کئے اور اس یادگار تعمیر کو قائم رکھنے کیلئے لوگوں کی دلچسپی کو ابھارا۔

عبادت گاہ کی عمارت ڈورس طرز تعمیر کی حامل ہے۔ اس بالا حصار کی دیگر اہم عمارتوں میں ایتھینا نائک کی عبادت گاہ ہے۔

اپنے کھنڈرات کے باوجود بالا حصار کو آزادی کی ایک علامت تصور کیا جاتا ہے اور خوبصورتی کے ساتھ محبت کی ایک علامت تصور کیا جاتا ہے۔



التامیرا کی غاریں

آرٹ کی طلوعِ صبح

1875ء میں ایک چھوٹی لڑکی جس کا نام ماریا ڈی سنتولا تھا وہ اپنے والد کے ہمراہ جنوبی اسپین میں واقع ایک غار کی سیر کر رہی تھی۔ اس نے اس غار کی چھت پر ایک بیل کی تصویر دیکھی۔ پہلے پہل کسی کو یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ پینٹنگ جات قبل از تاریخ کے انسانوں کا کارنامہ ہے جو غاروں میں رہتے تھے۔ لیکن جب دیگر غاروں میں بھی اس قسم کی تصاویر دیکھنے کو ملیں تب مختلف نکتہ ہائے نظر منظر عام پر آنے لگے۔

التامیرا کی تصاویر 10,000 تا 30,000 برس قبل از مسیح سے متعلق ہیں جبکہ انسان ہنوز ایک شکاری تھا جو پتھر اور ہڈیوں سے بنائے گئے ہتھیار اپنے شکار کو مارنے کے لئے استعمال کرتا تھا۔ یہ تصاویر ایک ایسے چیمبر میں بنائی گئی ہیں جس کی پیمائش 18 میٹر (59 فٹ) ضرب 9 میٹر (29.5 فٹ) ہے اور یہ تصاویر تعداد میں 50 کے قریب ہیں۔ یہ تصاویر جانوروں کی تصاویر ہیں اور ان میں سے کچھ تصاویر رنگین بھی ہیں۔ ان تصاویر میں سرخ' سیاہ اور بنفشی رنگ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تصاویر ان جانوروں سے متعلق ہیں جن کو قبل از تاریخ کا انسان اس وقت اپنے اردگرد دیکھتا تھا جبکہ وہ پہاڑیوں اور وادیوں میں گھومتا تھا۔ ان تصاویر میں ہرن' بیل' بھیڑیوں وغیرہ کی تصاویر شامل ہیں۔

ان تصاویر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں حقیقی پن کی جھلک واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے آرٹ کے برعکس غاروں کے مکین تصاویر بناتے وقت تناسب درست رکھتے تھے اور جانوروں کے اجسام کے مختلف حصوں کی شکل بگاڑ کر نہیں پیش کرتے تھے جیسا کہ مابعد قرونِ وسطیٰ کے لوگ کرتے تھے۔

یہ تصاویر کیوں بنائی گئی تھیں؟

بہت سی وجوہات پیش کی گئی ہیں جو یہ وضاحت کرتی ہیں کہ یہ تصاویر کیوں بنائی گئی تھیں۔

کچھ ماہرین اس نکتہ نظر کے حامل ہیں کہ وہ ایک جادو کی قسم تھیں جو غاروں کے مکین شکاریوں کو اپنے شکار پر قوت عطا کرتی تھیں۔

کچھ ماہرین اس نکتہ نظر کے حامل ہیں کہ ان تصاویر کو اس لئے بنایا گیا تھا کہ وہ اس دور کے انسانوں کو اپنے خوف و ہراس پر قابو پانے میں معاون ثابت ہوتی تھیں۔

شاید ان تصاویر بنانے کی حقیقی وجہ یہ ہو کہ انسان اپنے ماحول کو سمجھنے کی جدوجہد میں مصروف تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے ایک لمبی مہم شروع کر رکھی تھی اور یہ وہی مہم ہے جس میں آرٹسٹ اور سائنس دان آج بھی مشغول دکھائی دیتے ہیں۔



الحمرا

عربی طرزِ تعمیر کا ایک شاہکار

8 ویں صدی جب عرب یورپ میں آن وارد ہوئے تب وہ اپنے ہمراہ تہذیب اور جنگ دونوں لے کر آئے۔ ان کے سائنس دانوں نے ریاضی، کیمسٹری اور علم فلکیات متعارف کروایا اور ان کے آرٹسٹوں نے ایسا طرزِ زندگی متعارف کروایا جس طرزِ زندگی سے قرونِ وسطیٰ کے لوگ اس سے بیشتر نا آشنا تھے۔ انہوں نے ایسا طرزِ زندگی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔

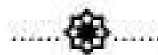
عربوں نے کئی ایک خوبصورت مقامات تعمیر کیے۔ ان خوبصورت مقامات میں غرناطہ کا الحمرا ایک انتہائی خوبصورت ترین مقام تھا۔ یہ تعمیر اپنی مثال آپ تھی۔

عیسائیوں نے اسپین فتح کرنے کی جنگ کے دوران جب عربوں کے دارالحکومت پر قبضہ جمالیا تب عربوں نے غرناطہ کو اپنا دارالحکومت بنا لیا اور شہر کو عرب طرزِ تعمیر میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ ایک سو سال سے بھی کم عرصے میں وہ اس شہر کو گنوا بیٹھے اور فردی نند اور ازابیلا کی افواج نے ان سے یہ شہر چھین لیا۔ یہ واقعہ 1492ء میں پیش آیا۔ اس وقت آخری عرب حکمران بوب دل تھا۔

اپنی تمام تر خوبصورتی کے باوجود الحمرا کو نظر انداز کر دیا گیا اور شہنشاہ چارلس V نے اس کے کئی ایک حصوں کو تباہی و بربادی سے دوچار کر دیا۔ وہ اسے اٹلی طرزِ تعمیر میں ڈھالنا چاہتا تھا اور یہ طرزِ تعمیر کبھی بھی اپنی تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ تاہم اس کا کافی زیادہ حصہ محفوظ رہا جو دیکھنے والوں کو حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ الحمرا ایک فوجی قلعے پر مشتمل ہے جس کی دیواریں اور مینار سرخ پتھروں سے تعمیر کیے گئے تھے اور انہی سرخ پتھروں کی وجہ سے اس کو الحمرا کا نام دیا گیا تھا۔ عربی میں الحمرا کا مطلب ہے "سرخ قلعہ"۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ الحمرا گلاب کے پھولوں...... نارنگیوں...... حنا اور خوشبودار پھولوں اور پودوں کیلئے مشہور ہے جو فضا کو خوشبو سے معطر کرتے ہیں بالخصوص رات کے وقت فضا خوشبو سے از حد معطر محسوس ہوتی ہے۔

الحمرا کی خوبصورتی قابلِ دید ہے۔



ایل ایسکوریئل

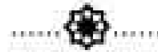
فلپ II کا ایک شاہکار

سینٹ لارنس کے دن کے موقع پر فلپ II...... 10 اگست 1557ء کو تخت نشین ہوئے ایک برس کا عرصہ گزر چکا تھا...... شہنشاہ چارلس V کے تخت سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے بعد فلپ II تخت نشین ہوا تھا...... فلپ II کے علم میں یہ بات آئی کہ اس کے فوجی دستوں نے سینٹ کوئنٹن کے مقام پر لڑائی میں فرانس پر غلبہ حاصل کیا ہے...... شکرانے کے طور پر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ایک خانقاہ تعمیر کروائے گا اور اسے سینٹ لارنس کے نام کے ساتھ منسوب کرے گا۔ یہ عمارت تمام دیوتاؤں کے نام سے بھی منسوب تھی اور اس میں شاہی اپارٹمنٹ بھی تھے۔

اس مقصد کے لئے جس ماہر تعمیرات کا انتخاب کیا گیا اس کا نام جوآن بوتسٹا ڈی ٹولیڈو تھا۔ فلپ II جو کیتھولک مذہب کی قوت کو بحال کرنے کے جذبے سے مالا مال تھا...... اسی جذبے کی وجہ سے اس نے پہلے انگلستان کی ملکہ میری سے شادی کی اور مابعد الزبتھین انگلستان کے ساتھ تلخ رقابت کا مظاہرہ کیا...... اس نے یہ فیصلہ کیا کہ نئی خانقاہ اور محل طرز تعمیر کے لحاظ سے کلاسیکل نوعیت کا حامل ہونا چاہیے۔ لہٰذا اس نے اس طرز تعمیر کو مسترد کر دیا جو اس کے آباؤ اجداد اپناتے تھے۔

جوآن ڈی ٹولیڈو کے موت سے ہمکنار ہونے کے بعد اس کے معاون جوآن ڈی ہریرہ نے تعمیر کی نگرانی کی ذمہ داری سنبھال لی اور بادشاہ کی ہدایات کے عین مطابق تعمیراتی سرگرمیاں جاری رکھیں اور اس کاوش کے نتیجے میں اسپین کی بہترین عمارات منظر عام پر آ گئیں۔

عمارت کے شمالی جانب عین وسط میں ایک ہال ہے جو یونانی کراس کی شکل کا حامل ہے اور اٹلی کے ماہر تعمیر برامانیٹ کے اس ڈیزائن پر بنیاد کرتا ہے جو اس نے روم میں سینٹ پیٹر کے گرجا گھر کے لئے تجویز کیا تھا۔ اس جانب ایک اسکول بھی ہے۔ مغرب کی جانب شاہی اپارٹمنٹ ہیں۔ فلپ II نے ان کمروں میں اپنی رہائش رکھی تھی اور یہیں پر موت سے ہمکنار ہوا تھا۔ جنوبی سمت خانقاہ پر مشتمل ہے اور اس حصے میں ایک لائبریری بھی ہے۔ اس لائبریری میں بادشاہ بذات خود انتہائی دلچسپی رکھتا تھا اور اس لائبریری میں 50,000 کتب موجود ہیں۔



ایل ایسکوریئل کے بارے میں حقائق

لمبائی 236 میٹر (258 گز)، چوڑائی 176 میٹر (192 گز)۔ اس کی تعمیر 22 برسوں میں مکمل ہوئی (1562ء تا 1584ء)۔ اس پر 5,000,000 ڈوکیٹ لاگت آئی تھی اس کی تعمیر میں 1500 کاریگروں نے حصہ لیا تھا۔ اس میں 16 برآمدے ہیں ...... 88 فوارے ہیں ...... 86 سیڑھیاں ہیں ...... 1200 دروازے ہیں اور 2,673 کھڑکیاں ہیں۔

کریملن

ماسکو کا شہر کے اندر ایک اور شہر

ماسکو کا کریملن ایک ایسا شہر ہے جو ایک شہر کے اندر واقع ہے اور اس کے نام کا مطلب ہے شہر کی حفاظت کرنے والا قلعہ...... یہ نام ان دنوں کی یاد دلاتا ہے جبکہ شہروں کا ڈیزائن کرتے ہوئے حملہ آوروں کے خلاف دفاع کو مد نظر رکھنا ایک اہم نظریہ تصور کیا جاتا تھا۔ 14 ویں صدی میں جیسے ہی ماسکو کی اہمیت میں اضافہ ہوا ویسے ہی کریملن کی اہمیت میں بھی اضافہ ہوا۔ اس کی شاندار تعمیرات کا بیشتر حصہ 15 ویں صدی کے اختتام پر منظر عام پر آیا جب تعمیر نو کا کام وسیع پیمانے پر شروع ہوا۔

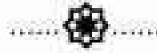
آج کا کریملن متوازی دیواروں کے اندر واقع ہے جن کی حفاظت میناروں کے ذریعے کی جاتی ہے۔ اس میں متاثر کن تعداد میں محلات اور گرجا گھر واقع ہیں۔ اونچا ترین مینار 73.15 میٹر (240 فٹ) اونچائی کا حامل ہے۔ ٹرائے ٹسکایا...... وہ مقام ہے جہاں سے 1812ء میں نپولین روس فتح کرنے کے اپنے احمقانہ ارادے کے ساتھ داخل ہوا تھا۔ اگلا مقام سوبا کینا ہے...... 54.86 میٹر (180 فٹ) اونچائی کا حامل اور 3.65 میٹر (12 فٹ) موٹی دیواوں کا حامل۔ دیگر مقامات میں بوروو ٹسکی اور سپاسکی گیٹ شامل ہیں۔

کریملن کی عمارات میں زیادہ متاثر کن عمارت گرینڈ کریملن پیلس ہے جس کی تعمیر نو 39-1838 میں سرانجام دی گئی تھی کیونکہ 1812ء کی آتشزدگی کے دوران یہ جل گیا تھا اور یہ وہ آتشزدگی تھی جس کی بنا پر اہل روس فرانسیسی حملہ آوروں کو اپنے ملک سے نکال باہر کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ محلات کے ہال زاروں کے درباری شان وشوکت کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔ سینٹ جارج ہال میں روس کے عظیم ہیروجات کے نام پتھر کی میزوں پر کندہ ہیں۔ ان میں کوتوزوف کا نام بھی شامل ہے جو نپولین کے ساتھ برسر پیکار رہا تھا۔ اس ہال کا فرش بیس مختلف اقسام کی لکڑیوں سے بنا ہوا ہے۔ ولادی میر ہال جس کی بنیادیں 1487ء میں رکھی گئی تھیں اور اسے اٹلی کے ماہرین تعمیرات نے تعمیر کروایا تھا۔ گولڈن پیلس میں زار کی بیٹی مہمانوں کا استقبال کرتی تھی۔ شاہی خاندان کے اپارٹمنٹ ہنوز موجود ہیں اور اس فرنیچر سے آراستہ ہیں جو شاہی خاندان کے زیر استعمال تھا۔

کریملن کی قابل ذکر عمارات میں گرجے بھی شامل ہیں۔ عظیم بیل ٹاور...... مشہور بورس گودونوف نے اس میں گنبد کا اضافہ کیا تھا وہ ہشت پہلو ہے...... 81.1 میٹر (263 فٹ) کا مینار 8-1505ء میں تعمیر ہوا تھا۔ اس میں گھنٹیاں نصب ہیں...... ان گھنٹیوں کو خطرے کے موقع یا خوشی کے موقع پر بجایا جاتا تھا۔ ان گھنٹیوں کی کل تعداد 21 ہے۔ ان میں سب سے بڑی گھنٹی کا وزن 70 ٹن ہے۔

آج کل کریملن میں کئی ایک نئی عمارتوں کا اضافہ ہو چکا ہے۔ ان عمارتوں میں کونسل چیمبرز اور حکومتی دفاتر قائم ہیں لیکن پرانے محلات کو بحال رکھا گیا ہے اور طلباء کو ان محلات کو دکھایا جاتا ہے۔ یہ محلات دنیا کی طاقتور ترین اقوام میں سے ایک قوم کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

کریملن کی دیواروں سے باہر ایک اور عمارت موجود ہے جو دنیا میں کسی بھی گرجے سے بڑھ کر حیران کن اور عجوبہ دکھائی دیتی ہے۔ یہ سینٹ باسل کا گرجا ہے۔ یہ ایک قابل ذکر گرجا ہے جو گیارہ علیحدہ خانہ گرجا گھروں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک خانہ گرجے کو بہتر طور پر سجایا گیا ہے۔



کریملن کے بارے میں حقائق

کریملن دیوار کی لمبائی

2,194.5 میٹر (7,200 فٹ)

20 عدد میناروں کی حامل

بیل ٹاور میں زار کی بیل (گھنٹی) کا وزن 200 ٹن ...... اس کی اونچائی 6 میٹر (20 فٹ)۔

زار کی توپ جو نزدیک ہی نصب ہے کا وزن 40 ٹن۔

ونٹر پیلس

لینن گراڈ کا ایک پُر تکلف محل

یہ مشہور ملکہ کیتھرائن تھی جو اس شاندار اور پُر تکلف محل کی تعمیر کا سبب بنی تھی جو ونٹر پیلس کے نام سے مشہور ہے اور دریائے نیوا کے کناروں پر کھڑا ہے جو کبھی سینٹ پیٹرز برگ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس نے روسی طرز تعمیر کی بجائے اٹلی اور فرانسیسی طرز تعمیر کو ترجیح دی اور اٹلی اور فرانسیسی ماہر تعمیرات کی خدمات حاصل کیں جنہوں نے یورپ کے شاندار محلات میں ایک اور محل کا اضافہ کیا۔ مابعد اس نے اس محل میں ایک خانقاہ تعمیر کروائی جس میں دنیا کے بہترین آرٹ کا ذخیرہ موجود ہے۔

کیتھرائن کا محل مغربی اور کلاسیکل طرز تعمیر کا حامل ہے اور شکل میں ایک مستطیل صورت کا حامل ہے۔ محل کے اندرونی اور بیرونی حصے کی آرائش وزیبائش بخوبی سرانجام دی گئی ہے اور یہ آرائش وزیبائش اس وقت سرانجام دی گئی تھی جبکہ 1837ء میں آتشزدگی کے باعث محل تباہی سے ہمکنار ہوا تھا۔ اس کے بعد 1500 کمروں کی تعمیر نو اصلی طرز تعمیر کے تحت ہی سرانجام دی گئی تھی جبکہ دیگر کمروں کی زیبائش وآرائش 19ویں صدی کی طرز کے عین مطابق سرانجام دی گئی تھی۔

محل کے دیگر بڑے کمروں کے علاوہ آرڈر آف سینٹ جارج کا بھی کمرہ ہے جہاں پر پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا تھا اور پیٹر کا عظیم کمرہ بھی ہے جہاں پر شہنشاہ اپنے دربار میں غیر ملکی سفارت کاروں سے نئے سال کی مبارکباد وصول کرتا تھا۔ اس کے علاوہ 16 کھڑکیوں کا حامل بال روم بھی موجود ہے۔ جب یہ محل اپنی پوری شان وشوکت کا حامل تھا اس وقت اس کی آرائش وزیبائش قابل دید تھی لیکن اس کی بیشتر آرائش و زیبائش اس وقت تباہی سے ہمکنار ہوگئی جبکہ اکتوبر 1918ء کے انقلاب میں سپاہ نے اس پر یلغار کی تھی۔

دوبارہ دوسری جنگ عظیم دوم میں گولہ باری نے اس محل کو متاثر کیا تھا مگر اس محل کو دوبارہ اس کی پہلی شکل میں واپس لایا گیا تھا اور یہ اب بھی قابل تعریف ہونے کے علاوہ ایک عجوبے کی حیثیت کا حامل ہے۔



استنبول

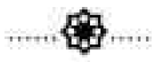
مشرق اور مغرب کے ملاپ کا مقام

یہ شہر اس دروازے کی اہمیت کا حامل تھا جس کے ذریعے مشرق کے خزانے بہہ کر مغرب میں جا پہنچے تھے۔ رومنوں کے دور کے آخری دورانیے کے دوران ایک ناکام تہذیب کا آخری بُرج ثابت ہوا اور دنیا کے نئے مذہب ...... عیسائیت کا انتظامی مرکز ثابت ہوا۔ یہ رومن شہنشاہ کونسٹن ٹن تھا جس نے بازنطینی کو 330 بعد از مسیح مشرقی رومن سلطنت کے دارالحکومت میں تبدیل کیا تھا اور اس کا نام تبدیل کر کے کونسٹن ٹینوپول رکھا تھا۔ اس نے یہ پابندی بھی عائد کی تھی کہ تمام تر رومن شہری مذہب عیسائیت قبول کریں۔ روحانی زندگی جو عیسائیت نے شہر کو عطا کی اس کی جھلک اس کے 200 صد گرجا گھروں سے جھلکتی ہے۔

اس دور حکومت کے دوران جو بڑا گرجا تعمیر کیا گیا وہ آج کل ایک عجائب گھر کی حیثیت کا حامل ہے۔ 1453ء میں جب ترکوں نے کونسٹن ٹینوپول پر قبضہ کیا تب انہوں نے اس عمارت کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔

اس گرجے کی عمارت دنیا کے گرجا گھروں کی عظیم عمارتوں میں شامل ہے۔ اس کا قابل ذکر خدوخال اس کا گنبد ہے۔ اس عمارت کی دیواریں کئی ایک رنگوں کے سنگ مرمر سے ڈھکی ہوئی ہیں اور اس عمارت میں سنگ مرمر کے 107 ستون ہیں۔

اس قدیم شہر کا جدید نام استنبول ہے۔ یہ شہر ہزاروں برس تک کئی ایک تہذیبوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ اس شہر میں کئی دیگر عجوبے بھی دیکھنے کو ملے ہیں جن میں ٹوپ کاپی محل بھی شامل ہے۔



جنگفر و ریلوے

ایک ہلاکت خیز پہاڑ سے گزرنے والی ریلوے لائن

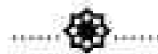
چٹان سے چند گز کے فاصلے میں ایک ریلوے لائن موجود ہے جو مسافروں کو انتہائی سہولت اور حفاظت کے ساتھ سطح سمندر سے 3,454 میٹر (11,321 فٹ) کی بلندی پر سفر طے کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔

اس ریلوے لائن کی تعمیر کا خیال پہلے پہل 1870ء میں آیا۔ کئی ایک منصوبے زیر غور لائے گئے۔ ان منصوبوں میں ایفل ٹاور بنانے کا منصوبہ بھی شامل تھا۔

بالآخر چٹان میں ایک سرنگ کھودتے ہوئے ریلوے لائن گزارنے کے منصوبے کو حتمی شکل دی گئی اور 1898ء میں اس منصوبے پر کام کا آغاز ہوا اور 23 برسوں کی محنت کے بعد یہ ریلوے لائن اپنی تعمیر کے مراحل طے کرتی ہوئی اپنے اختتام کو پہنچی۔ اس کی تعمیر کے دوران چٹان کو دھماکے سے اڑاتے ہوئے کئی ایک ورکر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اس ریلوے لائن کی تعمیر کے پیچھے جو ذہن کارفرما تھا وہ اڈولف گویئر زیلر کا ذہن تھا۔ وہ رومانوی ذہن کا حامل تھا اور چاہتا تھا کہ عام پبلک بھی ان مناظر سے لطف اندوز ہو جن مناظر سے محض پہاڑوں کی چوٹیاں سر کرنے والے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کی ریل گاڑی کو اوپر تنگ و تاریک سرنگوں سے گزارنے کے لئے بجلی کی قوت درکار ہوگی۔ حصول مقصد کی خاطر اسے ایک پاور اسٹیشن قائم کرنا تھا جو اسے مطلوبہ بجلی فراہم کر سکے۔ لہٰذا سرنگیں کھودی گئیں اور ریلوے لائن بچھائی گئی۔

ریلوے کے بالائی اسٹیشن پر ایک سائنٹیفک انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا جس کے لئے گویئر نے 100,000 فرانک عطیہ دیا۔ اس انسٹی ٹیوٹ میں کئی ایک مضامین پر کام سرانجام دیا جاتا ہے۔



مُنا کو

کڑورپتیوں کے لئے کھیل کا میدان

مُنا کو چند سوا ایکڑ رقبے پر مشتمل ہے۔ 1297ء میں گری مالدی فیملی اس علاقے کی حکمران بنی۔ اس علاقے پر غیر ملکی قبضے بھی ہوئے اور قتل وغارت بھی ہوتی رہی اور حکمرانوں میں سے ایک حکمران کو اس کی ناراض رعایا نے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔ انقلاب فرانس کے دوران گری مالدی خاندان کو ان کے اثاثوں سے محروم کردیا گیا تھا لیکن مابعد 1861ء میں ان کی زمین اس وقت ان کے حوالے کردی گئی تھی جب منا کو فرانس کے تحفظ تلے چلا آیا تھا۔ اسی برس کیسینو کے کاروبار میں مہارت رکھنے والے ایک شخص نے منا کو میں ایک جواء خانہ کھولا تھا۔ اس شخص کا نام فرانکوئس بلانک تھا۔ یہ کاروبار بڑھتے بڑھتے دنیا بھر کے امیر آدمیوں کی نگاہ کا مرکز بن گیا۔

آج منا کو چار حصوں پر مشتمل ہے۔۔۔۔۔۔"منا کو ولی"۔۔۔۔۔۔حکومتی نشست۔۔۔۔۔۔"لاکونڈامن"۔۔۔۔۔۔کاروباری حصہ اور بندرگاہ۔۔۔۔۔۔"فونٹ ولی"۔۔۔۔۔۔جہاں پر ہلکی صنعت موجود ہے۔۔۔۔۔۔اور "مونٹ کارلو"۔۔۔۔۔۔جہاں پر کیسینو۔۔۔۔۔۔اوپیرا اور فیشن ایبل زندگی موجود ہے۔ زمین کے ہر ایک فاضل انچ پر اونچی اونچی جدید عمارات سر اٹھائے کھڑی ہیں۔ ہزاروں لوگ منا کو کی سیر کے لئے آتے ہیں اور "مونٹ کارلو" میں مہیا کی گئی خوشیوں اور شادمانیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور کیسینو سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مراکو کے حقیقی شہریوں کیلئے کیسینو سے لطف اندوز ہونے پر پابندی عائد ہے۔

اہرام مصر

فرعونوں کے مقبرے

اہرام...... بڑے بڑے مقبرے...... اس سے بڑے مقبرے شاید ہی منظر عام پر آئے ہوں...... ان مقبروں میں مصر کے فرعونوں کی لاشیں محفوظ کی جاتی تھیں۔ یہ مقبرے قدیم مصری تہذیب کی تمام تر قوت کی واضح علامات تھے۔

یہ تہذیب جو 4,000 برس تک قائم رہی یہ آپس میں بے لوچ...... سخت اور کڑے مذہبی ڈھانچے میں بندھی ہوئی تھی اور یہ ڈھانچہ نہ صرف حکمرانوں بلکہ عوام پر بھی مکمل طور پر لاگو ہوتا تھا۔ مذہبی پیشوا نہ صرف روحانی زندگی کے کرتا دھرتا تھے بلکہ دنیاوی زندگی میں بھی ان کو برابر عمل دخل حاصل تھا۔ وہ حکومتی مشیر بھی تھے اور سائنس دان بھی تھے...... وہ ایک لحاظ سے اس سول سروس کے رکن تھے جس کا کام ایک قائم شدہ معاشرے کو محفوظ بنانا تھا اور اس معاشرے کو جاری وساری رکھنے کا بندوبست سرانجام دینا تھا۔ لہٰذا اہرام موت کی صورت میں وہی کردار سرانجام دیتے تھے جو کردار محلات زندگی کی صورت میں سرانجام دیتے تھے۔ محلات اپنے بڑے بڑے ستونوں اور مجسموں کے ساتھ لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے بنائے جاتے تھے...... یہ محلات لوگوں کو ان کے حکمرانوں کی ان کی زندگی میں شان وشوکت اور قوت سے روشناس کرواتے تھے...... اہرام مرنے کے بعد ان کی شان وشوکت اور قوت سے روشناس کرواتے تھے۔

اہراموں کی تعمیر پرانی بادشاہت کے دور میں منظر عام پر آئی تھی (2613 قبل از مسیح)۔ یہ تیسرے شاہی سلسلے کا فرعون ڈجوسر تھا جس نے پتھروں سے اہرام تعمیر کروایا اور اس نے اہرام کی دیواروں کو سیڑھیوں کی شکل میں ترتیب دیا۔ یہ دیواریں 60 میٹر (196.8 فٹ) بلند تھیں۔ تیسرے شاہی سلسلے کے فرعون سنی فیرو نے بھی مخروطی شکل کا مقبرہ تعمیر کروایا۔ اسی فرعون نے اہرام کے نظریے کو نئی طرز عطا کی اور اس کی سیڑھیوں کو پُر کرتے ہوئے اسے ہموار مخروطی شکل عطا کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان اہراموں کے سائز میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ بڑے بڑے اہرام منظر عام پر آنے لگے۔

یہ فرعون...... جن کے بارے میں بہت کم معلومات حاصل ہیں...... اپنی زندگی میں اہراموں کی تعمیر مکمل ہوتے نہ دیکھ سکے۔ ان اہراموں کی عظیم عمارات ہزاروں مزدوروں نے بڑے بڑے پتھروں سے پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔ ان پتھروں کا وزن اڑھائی ٹن تک تھا۔

ایک بڑے اہرام کی اونچائی 156.59 میٹر (514.6 فٹ) ہے۔ اب یہ چند فٹ کی حد تک ٹوٹ چکا ہے۔ اس کی بنیاد 230 میٹر (754.5 فٹ) مربع ہے۔ اس کی تعمیر میں پتھروں کے 2,300,000 بلاک استعمال ہوئے تھے اور شمالی جانب اس کا داخلی راستہ سطح زمین سے 18 میٹر (59.04 فٹ) اونچا ہے۔ ایک برآمدہ ایک زیرزمین چیمبر کی جانب جاتا ہے جہاں سے ملکہ کے چیمبر اور اس کے بعد بادشاہ کے چیمبر تک رسائی ممکن ہے۔



تھیبس

فرعونوں کے محلات اور مقبرے

قدیم مصریوں نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور نیوبیا...... ایتھوپیا...... اور لیبیا کے علاقے فتح کر لئے جو دریائے نیل کی پہنچ میں واقع تھے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنا دارالخلافہ ممفس سے منتقل کر کے کسی اور موزوں مقام پر لے جانا چاہئیے۔ لہٰذا تقریباً 2160 قبل از مسیح...... انہوں نے تھیبس کا انتخاب کیا۔ یہ مقام لیبیا اور عربیہ کی صحراؤں کے درمیان واقع ہے...... یہ مقام انہوں نے اپنے نئے شہر کے لئے منتخب کیا۔

اپنے بڑے دیوتا امون کے اعزاز میں انہوں نے عبادت گاہیں تعمیر کیں اور اپنی قوت و طاقت کے اظہار کی غرض سے اور اپنی رعایا کو متاثر کرنے کی غرض سے انہوں نے بڑے بڑے محلات تعمیر کئے۔ اس نئے شہر میں تمام تر تعمیرات دیوہیکل انداز میں کی گئیں۔

فرعونوں نے اپنی قوت و طاقت اور اختیارات کی از حد حفاظت سرانجام دی۔ مذہبی پیشوا بھی ان کی پشت پر تھے جو منتظمین اور سائنس دان تھے۔ حتیٰ کہ مذہب اور ریاست کا یہ ملاپ موت کے بعد بھی جاری رہا اور تھیبس کا قبرستان بھی اتنا ہی اہم تھا جتنے اہم محلات تھے۔ یہاں پر فرعون مدفون تھے۔ ان کے مقبرے بڑے بڑے تھے جو پہاڑوں کو کھود کر بنائے گئے تھے۔ ان کے مقبروں میں ان کی لاشوں کے ساتھ ساتھ ان کے خزانے...... قیمتی پتھر اور ہیرے جواہرات کے علاوہ ان کے خادمین اور جانور بھی مدفون تھے۔

یہ خفیہ دولت قبروں پر ڈاکہ زنی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتی تھی اور بہت سا خزانہ غائب بھی ہو چکا ہے۔ 19 ویں اور 20 ویں صدی میں ان مقبروں کی تحقیقات نے ان قدیم مقبروں کی لوٹ مار میں اضافہ سرانجام دیا لیکن اس کے باوجود بھی بہت کچھ باقی بچا ہے اور عجائب گھروں میں محفوظ کر لیا گیا ہے تاکہ دنیا پر ان عجائب کا انکشاف کیا جا سکے جو کہ اس روئے زمین پر ایک ایسی تہذیب سے متعلق ہیں جو عرصہ دراز تک اس روئے زمین کی زینت بنی رہی تھی۔



اسوان ہائی ڈیم

اہل مصر کی زندگی میں خون بن کر گردش کرنے والا ڈیم

دریائے نیل کے پانی نے اس تہذیب کی بنیاد رکھنے میں ایک اہم اور فعال کردار سرانجام دیا جو نہ صرف دنیا کی ایک کامیاب ترین تہذیب تھی بلکہ دنیا کی ایک ایسی تہذیب بھی تھی جو تا دیر قائم رہی۔ قدیم مصری قوم اور حکومت کیلئے آبپاشی کا علم اور دریائے نیل کے پانی کا اتار اور چڑھاؤ ایک اہم عنصر کی اہمیت کا حامل تھا۔

تاہم حالیہ دور میں بھی دریائے نیل کے پانی پر کنٹرول ڈیموں کی تعمیر کی بدولت ایک حقیقت کا روپ دھار چکا ہے جو نہ صرف آبپاشی کے لئے پانی کے ذخائر مہیا کرتا ہے بلکہ بجلی کی پیداوار کے لئے بھی پانی کے ذخائر مہیا کرتا ہے۔

دریائے نیل پر بنایا جانے والا دنیا کا سب سے بڑا آبی ذخیرہ اسوان ہائی ڈیم کہلاتا ہے۔ اس ڈیم کی دیوار...... جو 1970ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی تھی...... 157 ملین مکعب فٹ (205 ملین مکعب گز) پانی ذخیرہ کرتی ہے...... یہ 644 کلومیٹر (400 میل) وادی دریا پر پھیلی ہوئی ہے...... جوں ہی پانی ڈیم میں ذخیرہ ہوا...... 90,000 افراد جو اس وادی کے مکین تھے ان کو مصر اور سوڈان کی سرزمین میں دوبارہ آباد کرنا پڑا جبکہ دنیا بھر کے کئی ایک ادارے اس منصوبہ بندی میں مصروف رہے کہ ان عمارات کو کیسے محفوظ بنایا جائے جو طغیانی کے پانی میں بہہ جانے کے خطرے سے دوچار تھیں۔

یہ نیا ڈیم اسوان کی تاریخی اہمیت کو ایک نئے زاویے کے تحت بڑھانے میں معاون ثابت ہوگا۔ اسوان اور اس کا ہائی ڈیم اب اس مقام کا روپ اختیار کر چکے ہیں جہاں پر زندگی بخشنے والا دریائے نیل کا پانی کنٹرول کیا جاسکے گا اور اس پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد اسے تمام تر مصر کے فائدے کیلئے استعمال میں لایا جائے گا۔



نہر سویز

نہر سویز کی تعمیر کا منصوبہ ایک نیا منصوبہ نہ تھا بلکہ قدیم مصری حکمران بھی اس منصوبے کی افادیت سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن اس سلسلے میں کوئی تعمیری سرگرمی سرانجام نہ دی گئی تھی حتیٰ کہ نپولین نے یہ حکم صادر کیا کہ نہر کا سروے سرانجام دیا جائے۔

1854ء میں فردی نندڈی لیسپ نے ایک نہر تعمیر کرنے کے اپنے بڑے اور عظیم الشان پراجیکٹ کیلئے مصر کے خدیو کی منظوری حاصل کی اور سویز کینال کمپنی کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے کیلئے حکومت فرانس نے مالی تعاون سرانجام دیا۔

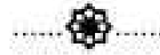
1869ء میں نہر کو کھول دیا گیا۔ اس نہر کو دیکھنے کے لئے سیاحوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔

ڈی لیسپ کی نہر 6 میٹر (196ء فٹ) گہری تھی اور 22 میٹر (72.1 فٹ) چوڑائی کی حامل تھی اور اس نہر میں ابتدائی برسوں میں سفر کرنے والے جہاز خشکی پر چڑھ جاتے تھے۔ 1870ء اور 1884ء کے درمیان 3,000 سے زائد جہاز ان مشکلات کا شکار ہوئے۔

برطانیہ بھی اس نہر میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کی اس نہر میں دلچسپی فرانس سے کسی طور بھی کم نہ تھی۔ خدیو مصر مالی مشکلات کا شکار ہوا اور 1875ء میں اس نے سویز کمپنی کے اپنے حصص فروخت کر دیے۔

1956ء کے نہر سویز بحران کے دوران برطانیہ اور فرانس دونوں نہر سویز پر اپنا کنٹرول کھو بیٹھے۔

1870ء میں اس نہر سے 486 جہاز گزرے تھے۔ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ سے تھوڑا عرصہ پہلے نہر سویز کو بند کر دیا گیا تھا۔ اس نہر سے 20,336 جہاز سالانہ گزرتے ہیں۔ عرب اسرائیل جنگ کے بعد نہر دوبارہ کھول دی گئی تھی۔



نہر سویز کے بارے میں حقائق

بندرگاہ سید تا نہر سویز	160 کلومیٹر (99.4 میل)
موجودہ چوڑائی	152.4 میٹر (500 فٹ) سطح پر
موجودہ گہرائی	12.19 میٹر (40 فٹ)
نہر عبور کرنے کا معمول کا وقت	13 گھنٹے

پہاڑ کِلی منجارو

خطِ استوا پر برف پوش آتش فشاں پہاڑ

یہ پہاڑ تنزانیہ اور کینیا کے درمیان واقع ہے۔ یہ پہاڑ کوہ پیاؤں اور لکھاریوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا ہے۔ اس پہاڑ کو 1848ء میں جرمن باشندوں نے دریافت کیا تھا۔ ایک کا نام جوہانس ربمین اور دوسرے کا نام لڈونگ کراپ تھا۔

اس پہاڑ کی دو چوٹیاں ہیں۔ دونوں چوٹیاں خوابیدہ ہیں۔ بالفاظ دیگر آگ یا لاوا نہیں اگلتیں۔ ایک چوٹی کا نام کیبو ہے۔ یہ چوٹی افریقہ کی بلند ترین چوٹی ہے۔ یہ بہت بڑے دہانے کی حامل ہے۔ اس میں ایک ثانوی کُون بھی ہے۔ یہ 113 میٹر (370 فٹ) آر پار ہے اور 122 میٹر (400 فٹ) گہری ہے۔ چوٹی کیبو پر ہنوز آتش فشانی کے آثار پائے جاتے ہیں جس سے گندھک کا حامل دھواں اٹھتا رہتا ہے۔ دوسری چوٹی کا نام ماوینسی ہے۔ اس چوٹی میں آتش فشانی کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔

کیبو چوٹی تک رسائی حاصل کرنا قدرے ایک آسان امر ہے اور اس چوٹی تک پہنچنے کے دوران کوہ پیما راستے میں کئی ایک ایسے مقامات بھی دیکھتے ہیں جہاں پر آب وہوا کے لحاظ سے سبزیاں وغیرہ کاشت کی گئی ہوتی ہیں۔ اس پہاڑ کے دامن میں زرعی زمین واقع ہے جہاں پر کافی اور کیلے کی کاشت ہوتی ہے۔

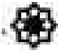
کِلی منجارو کی نچلی ڈھلوان پر جنگلی درندے دندناتے پھرتے ہیں۔ ان میں ہاتھی اور گینڈا وغیرہ بھی شامل ہیں۔

❁

وکٹوریہ آبشاریں

وہ دھواں جو گھن گرج رکھتا ہے

1855ء میں ڈاکٹر لونگ اسٹون نے اس عظیم آبشار کو دریافت کیا تھا چھوٹے جزیرے وکٹوریہ آبشاروں کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ یہ 1,370 میٹر (4,495 فٹ) آر پار ہیں۔ مغربی سرے پر ڈیول آبشار ہے۔ اس کے بعد آبشار جزیرہ ہے۔ اس کے بعد بڑی آبشاریں ہیں۔ ان کے مشرق میں رین بو آبشاریں ہیں اور مشرقی سرے پر مشرقی آبشار ہے۔
دریا ریلوے پل کے نیچے سے گزرتا ہے اور رھوڈیشیا اور ذیمبیا کو ملاتا ہے۔ ان آبشاروں کے ارد گرد کا ماحول اسی صورت حال کا حامل ہے جس صورت حال کا حامل ڈاکٹر لونگ کے زمانے میں تھا۔ اور قومی پارکوں کے نزدیک جنگلی حیات دندناتی پھرتی ہے۔



وکٹوریہ آبشاروں کے بارے میں حقائق

اونچائی

107 میٹر (355 فٹ)

چوڑائی

1,370 میٹر (4,495 فٹ)

پانی کا حجم (زیادہ سے زیادہ بہاؤ)

4 ملین مکعب میٹر (140 ملین مکعب فٹ)
اس کا انحصار موسم پر ہے

اوکاوانگو کی دلدل

دریا جو غائب ہوگیا

دریا اوکاوانگو انگولا سے نکلتا ہے اور 1600 کلومیٹر (994.1 میل) کا سفر طے کرنے کے بعد یہ انتہائی سہولت کے ساتھ کالاہاری صحرا میں ایک وسیع وعریض دلدل زدہ زمین میں غائب ہو جاتا ہے۔

جس مقام سے یہ دریا نکلتا ہے وہاں پر اسے کوبانگو کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ جنگلات کی حامل وادی سے بہتا ہوا پوپا آبشاروں کے مقام پر بڑی تیزی کے ساتھ کالاہاری صحرا کی جانب بڑھتا ہے۔ چونکہ یہاں پر اسے بہنے کے لئے مناسب راستہ دستیاب نہیں ہوتا لہٰذا یہ اپنے کناروں سے باہر امڈ آتا ہے۔ اور 11 کلومیٹر (7 میل) پر محیط ایک دلدل زدہ پٹی میں ڈھل جاتا ہے بیشتر اس کے کہ یہ بذات خود اوکاوانگو کی دلدل میں پھیل جائے۔

صحرا میں ڈیلٹا (تکونی زمین جو کسی دریا کے دہانے پر بن گئی ہو) تقریباً 241 کلومیٹر (150 میل) تک پھیلا ہوتا ہے۔ دلدلی زمین میں چونکہ پانی کی بہتات ہوتی ہے لہٰذا پانی کی دستیابی اور سورج کی چمک کی بدولت اس زمین پر سبزیاں بخوبی کاشت کی جاتی ہیں۔ چونکہ پرندوں کے لئے خوراک وافر مقدار میں دستیاب ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مچھلیوں کی کئی ایک اقسام بھی دستیاب ہوتی ہیں۔ لہٰذا پرندے بکثرت اس مقام کا رخ کرتے ہیں۔

جس جگہ یہ دلدل کا حامل مقام واقع ہے اس مقام پر تفریح گاہ قائم کرنے کا منصوبہ زیر غور ہے۔ اس دلدل کے شمال میں پہلے ہی ایک پارک موجود ہے جس میں شیر۔ چیتا۔ زیبرا اور دیگر جنگلی حیات موجود ہے۔



بالبک

سورج کا شہر

کسی دور میں یہ شہر سورج کا شہر کہلاتا تھا۔ بالی جو کہ زمین کا مالک تھا۔ غالباً اسی کے نام کی مطابقت کے لحاظ سے اس شہر کا نام بالبک رکھا گیا تھا۔ مشرق وسطیٰ کی ابتدائی تہذیبوں کے دور سے ہی یہ مقام ایک اہمیت کا حامل مقام تصور کیا جاتا تھا۔ مارک انٹونی نے بالبک قلوپطرا کو سونپ دیا تھا۔ یہ شہر اس وقت تک اس کی ملکیت میں رہا حتیٰ کہ وہ اگسٹس سیزار سے شکست کھا گئی۔ اس نے اس مفتوحہ علاقے کو اپنی محافظ فوج کا قصبہ بنالیا اور بال کو جوپیٹر کے ساتھ تبدیل کردیا...... رومن کا بڑا دیوتا۔

آنے والی صدیوں میں بالبک اپنے فاتحین کا نشانہ بنتا رہا۔ جنہوں نے اس شہر کا قبضہ حاصل کیا انہوں نے اس شہر کو اپنا نشانہ بنایا۔ تھیوڈوسیس نے جوپیٹر کی عبادت گاہ کا ایک بڑا حصہ تباہ کردیا تاکہ اپنے ہال کے لئے راستہ نکال سکیں۔ ساراسن (قرون وسطیٰ کے لکھاری اس نام کو شام اور فلسطین...... عام طور پر عربوں کے لئے بکثرت استعمال کرتے تھے۔ یا ان عربوں کے لئے استعمال کرتے تھے جو شمالی افریقہ سے متعلق تھے۔ جنہوں نے اسپین اور سسلی فتح کیا تھا اور فرانس پر حملہ آور ہوئے تھے) نے صلیبی جنگوں کے دوران اسے شہر کی حفاظت کرنے والے ایک قلعے میں تبدیل کردیا تھا۔

جرمن...... جو لبنان کے ترکی حکمرانوں کے اتحادی تھے انہوں نے 1899ء میں عبادت خانوں کی کھدائی شروع کردی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد لبنان فرانسیسی حکومت کے عارضی اختیار میں آگیا اور فرانسیسیوں نے بھی کھدائی کا کام جاری رکھا اور مابعد لبنانیوں نے بھی کھدائی کا کام جاری رکھا۔

بالبک کا بالا حصار دو اہم عبادت گاہوں کا حامل ہے۔ جوپیٹر کی عبادت گاہ ایک بڑی عبادت گاہ ہے۔ یہ عبادت گاہ تیسری صدی بعد از مسیح میں تعمیر کی گئی تھی۔ اس میں ایک بڑا پورچ بھی ہے جس کے 84 ستون بھی تھے۔ یہ ستون اسوان۔ مصر سے منگوائے گئے تھے۔ ان میں سے محض چھ ستون اب باقی ہیں۔ جوپیٹر کی عبادت گاہ کی نسبت باک ہس کی عبادت گاہ قدرے بہتر صورت حال کی حامل ہے۔ درحقیقت یہ عبادت گاہ شاید ایک نوجوان مقامی دیوتا کے ساتھ منسوب کی گئی تھی اور رومن قبضے کے دوران یہ باک ہس کی عبادت گاہ بن گئی تھی۔ بالبک کی کھدائی اور تعمیر نو اس کام کی اہمیت کا انکشاف کرتی ہے جو رومنوں نے ان عمارات پر سرانجام دیا جو ان کے زیر تسلط آئیں اور اس قصبے کی اہمیت کا بھی انکشاف کرتی ہے جو انہوں نے اپنی مشرقی سلطنت کی راہ میں بنایا تھا۔



پیٹرا

ایک ایسا شہر جو چٹان کو تراش کر بنایا گیا

اردن میں پیٹرا (اس شہر کو کہتے ہیں جو چٹان کو تراش کر بنایا گیا ہو) اپنے چٹانی ماحول میں تقریباً مکمل طور پر چٹان کو تراش کر بنایا گیا ہے۔ اس کی عبادت گاہیں...... مقبرے...... تھیٹر وغیرہ پتھر کو تراشنے کے فن کا ایک عظیم نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے رنگ بھی مثالی ہیں۔ عمارات قرمزی۔ گلابی اور ارغوانی رنگ کے لائم اسٹون سے تراشی گئی تھیں۔

یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ عجیب وغریب شہر کسی طرح معرض وجود میں آیا تھا ایک وہ لوگ جنہوں نے اس شہر کو مشرق وسطیٰ کی ابتدائی تہذیب کیلئے ایک اہم مرکز کے رُوپ میں ڈھالا وہ بناثیمن تھے (بناثیمن...... طاقتور عرب لوگ جو پہلے فلسطین کے مشرق اور جنوب مشرق میں آباد تھے)۔ وہ لوگ خانہ بدوش چرواہے تھے جو مشرق وسطیٰ کے کاروبار سے بھی منسلک تھے۔ وہ مشرق سے مصالحے وغیرہ لاتے تھے اور ان مصالحہ جات کو یورپ ممالک روانہ کردیا جاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تجارت روبہ ترقی ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ وہ آج کے دور کے شام تا سعودی عربیہ تک پھیل گئی اور قافلوں کے کئی ایک اہم روٹ ان کے کنٹرول میں تھے۔ وہ لوگ نہ صرف دولت مند ہوگئے بلکہ طاقت ور بھی ہوگئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے پیٹرا پر قبضہ جمالیا۔ دوسری صدی بعد از مسیح بناثیمن رومیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے اور رومی سلطنت میں شامل کر لئے گئے لیکن پیٹرا کی اہمیت برقرار رہی اور اس کو ایک تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل رہی اور اس حیثیت کو رومیوں کی حمائت بھی حاصل رہی۔ تعمیرات میں رومی طرز تعمیر اپنایا گیا اور عیسائیت کو بھی متعارف کروایا گیا اور دیوتا دسہرا کی عبادت کو عیسائیت کے ساتھ تبدیل کردیا گیا۔

پیٹرا میں ہنوز کافی کام جاری ہے...... جس کے کھنڈرات 1812ء میں دریافت کیے گئے تھے۔ کافی کچھ دریافت کیا جاچکا ہے جو دنیا بھر کے سیاحوں کیلئے دلکشی کا باعث ثابت ہورہا ہے اور پیٹرا کو قدیم دنیا کے عجوبوں میں ایک عجوبہ ثابت کرنے کا باعث بھی ثابت ہورہا ہے۔



پیرسی پولس

شاہ ڈارس کیلئے ایک محل

شاہ ڈارس I براہ راست اس خاندان سے متعلق نہ تھا جو پرشیا پر حکمرانی کرتا تھا۔ لہٰذا اس نے جب تخت تک رسائی حاصل کی تب اس نے دربار میں ایک نئی طرز کا آغاز کیا۔ اس نے سابقہ دارالخلافہ کو خیر باد کہا۔ اس نے ایک نیا محل تعمیر کروایا جو ایک ایسی چٹان پر واقع تھا جو سطح سمندر سے 1,747 میٹر (5800 فٹ) اونچی تھی۔ اس پہاڑ کا نام کوہ رحمت تھا جو دریائے اریکس کے قریب واقع تھا۔

اس محل کی تعمیر کا کام 520 قبل از مسیح شروع ہوا تھا۔ اس محل کی تعمیر میں جو پتھر استعمال کئے گئے تھے وہ مقامی طور پر دستیاب تھے۔

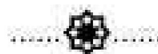
محل میں داخل ہونے کا بڑا راستہ مغرب کی جانب تھا۔ مختلف تقریبات کے موقع پر اس کی سیڑھیوں پر گھوڑے چڑھ سکتے تھے۔ سیڑھیوں کے اختتام پر ایک دروازہ تھا جہاں پر چار دیوہیکل پتھر کے بیل بنے ہوئے تھے جن کی اونچائی 7 میٹر (23 فٹ) تھی۔ محل کے ٹیرس پر یہ الفاظ کندہ تھے کہ:۔

''میں......ڈارس......عظیم بادشاہ......بادشاہوں کا بادشاہ......اس زمین پر بادشاہ......نے یہ قلعہ تعمیر کروایا۔''

ڈارس نے سلطنت پرشیا کو توسیع بھی بخشی۔ ڈارس کے جانشین نے بھی نئے شہر کی تعمیر جاری رکھی اور پرسی پولیس میں بھی ایک بڑے ہال کا اضافہ کیا جو اس محل کی سب سے بڑی تعمیر تھی۔ یہ ہال 60.9 میٹر (200 فٹ) مربع شکل کا حامل تھا۔

اس دور کی دیگر تعمیرات کی طرح یہ ہال بھی دیکھنے والے کو اپنے سائز کی بنا پر متاثر کرتا ہے۔ اس کے ستون 18.8 میٹر (62 فٹ) اونچائی کے حامل ہیں۔ ان کی اونچائی کے اختتام پر جانور بنائے گئے ہیں جو اس بڑے ہال کی چھت کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

ڈارس III کے دور حکومت میں 331 قبل از مسیح میں یہ محل یونانی فاتح الیگزینڈر دی گریٹ کے قبضے میں آ گیا۔



اصفہان

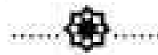
200 مساجد کا حامل شہر

ایران کے تمام تر شہروں میں اصفہان ایک حیران کن اور قابل تعریف شہر ہے۔اس کا عظیم سنٹرل اسکوائر......میدان......دیگر ممالک میں واقع اس قسم کی کھلی جگہوں سے زیادہ وسعت کا حامل ہے......مثال کے طور پر وینس میں پیازا یا لندن میں ٹرافل گار اسکوائر۔یہ تین عمارات کے حصار میں ہے جو شاہ عباس دی گریٹ کے دور کے طرزِ تعمیر کی منہ بولتی تصویر ہیں جس کا دور 1587ء تا 1629ء تھا۔

میدان کے جنوبی سرے پر شاہی مسجد (مسجدِ شاہ) واقع ہے۔اس کے داخلی دروازے کی محراب 27.4 میٹر (90 فٹ) بلند ہے اور اس پر نیلی ٹائلیں لگائی گئی ہیں۔اطراف میں 33.5 میٹر (110 فٹ) بلندی کے حامل مینار ہیں۔یہ مسجد ایک ایسے زاویے پر سیٹ ہے جو مکہ شریف کے عین بالمقابل ہے۔یہ مسجد ایک دیوہیکل گنبد کی بھی حامل ہے۔اس مسجد کی مشرقی جانب لطف اللہ کی مسجد ہے۔اس مسجد کا دروازہ اور گنبد ٹائلوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔دوسری جانب شاہی محل کا داخلی دروازہ ہے۔یہاں سے شاہ ایران میدان میں کھیلی جانے والی پولو سے لطف اندوز ہوتا تھا۔

شمالی جانب میدان بازاروں کی جانب رہنمائی کرتا ہے جہاں پر ایسی دوکانیں ہیں جہاں پر کاریگر چاندی اور تانبے کے کام سرانجام دیتے ہیں۔

شاہ عباس نے تعمیرات کی جو روائت قائم کی تھی اس کے جانشینوں نے اس کو جاری رکھا تھا۔انہوں نے بھی ایسی مساجد اور محلات تعمیر کروائے جو آنکھوں کو خیرہ کرتے ہیں۔ان میں سے ایک خوبصورت ترین عمارت مدرسہِ مدر شاہ کی عمارت ہے۔اس کی سرپرستی شاہ سلطان حسین کی والدہ نے سرانجام دی تھی۔یہ ایک مذہبی مدرسہ ہے۔اس کی تعمیر 18 ویں صدی میں سرانجام دی گئی تھی۔یہ برآمدوں، باغات اور گنبد کا حامل ہے اور ان کی سابقہ آب و تاب ہنوز برقرار ہے۔



یروشلم

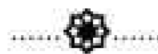
دنیا کے تین مذاہب کا مقدس شہر

گذشتہ 3,000 برسوں سے یروشلم ایک مذہبی مرکز کی اہمیت کا حامل رہا ہے۔اس کے علاوہ یہ اندرونی جدال اور بیرونی حملہ آوروں کا نشانہ بھی بنتا رہا ہے۔اس کا دفاع سرانجام دینے کی خاطر جو دیواریں تعمیر کی گئی تھیں وہ ہنوز برقرار ہیں اور سر اٹھائے کھڑی ہیں۔ 1917ء تک...... جب جنرل آلن بائے نے ترکوں سے اس شہر کو ہتھیایا تھا......ترک 1244ء سے اس شہر پر قابض تھے...... بھاری طاق جو دروازوں کو بند کرتے تھے ابھی تک استعمال میں تھے۔شہر کی ڈرامائی داستان حیات کی جانچ اس قدر و قیمت سے ہوتی تھی جو مختلف لوگ اس شہر کو بخشتے تھے اور ابھی تک بخشتے ہیں۔

شہر کی انتہائی غیر معمولی نوعیت کی حامل عمارت ڈوم آف دی راک ہے۔اس کی تعمیر 691ء میں عبدل مالی نے کروائی تھی۔یہ عمارت جس مقام پر کھڑی وہ مقام اس سے بیشتر یہودیوں کی عبادت گاہ تھی۔اس میں ایک مقدس پتھر بھی ہے جس کے بارے میں قدیم وقتوں میں یہ تصور کیا جاتا تھا کہ یہ دنیا کا مرکز ہے۔

پرانا شہر جو حرم۔ایش۔شریف کے باہر واقع ہے...... ایک مستطیل شکل کی ایک کھلی جگہ ہے جہاں پر عبادت گاہ واقع ہے...... گنجان گھروں اور تنگ گلیوں پر مشتمل ہے۔ان میں کثیر تعداد میں مزار اور چرچ ہیں۔یہ یروشلم کے یہودیوں...... مسلمانوں...... امریکنوں...... اور عیسائیوں کے مذاہب سے متعلق ہیں۔

سینٹ این کا چرچ 12ویں صدی میں تعمیر کیا گیا تھا اور یہ اس مکان کی جگہ پر تعمیر کردہ ہے جہاں پر بی بی مریم کے والدین سکونت پذیر تھے۔



مونٹ ایورسٹ

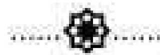
پہاڑوں کا بادشاہ

نیپال میں ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے کی سب سے اونچی چوٹی مونٹ ایورسٹ ہے۔ یہ چوٹی نہ صرف نیپال میں ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے کی سب سے اونچی چوٹی ہے بلکہ دنیا بھر میں سب سے اونچی چوٹی ہے۔ اس چوٹی سے نیچے چٹانی وادیوں میں برف کے علاوہ گلیشیئر بھی گرتے رہتے ہیں جو گرمی کے ساتھ پگھلنے کے بعد ندی نالوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور دیگر فصلوں کے علاوہ بانس کی فصل کے لئے از حد مفید ثابت ہوتے ہیں۔

''کھمبو'' وہ گلیشیئر ہے جہاں پر مونٹ ایورسٹ کی چوٹی کو کامیابی کے ساتھ سر کرنے والے کوہ پیماؤں نے 1953ء اپنا بیس کیمپ لگایا تھا۔ ان کوہ پیماؤں کے نام ایڈمنڈ ہیلرے اور تن زنگ تھے۔ اس کی وادی کوہ پیماؤں کی جنت ہے جن کے پہاڑوں کی بابت علم نے ان گنت کوہ پیماؤں کی معاونت سرانجام دی اور انہوں نے اس چوٹی کو سر کرنے کی کوشش سرانجام دی۔

1852ء میں ایورسٹ کو کوہ پیماؤں کے لئے ایک عظیم چیلنج کے طور پر تسلیم کیا گیا تھا جبکہ اس کی بلندی کا تخمینہ لگایا گیا تھا اور اس کا نام سر جارج فورسٹ کے نام پر رکھا گیا تھا جو کہ ایک سروئیر تھا۔ 1924ء اور 1952ء کے دوران اس چوٹی کو سر کرنے کیلئے کئی ایک کوششیں کی گئی تھیں۔ ان کوششوں کے آغاز میں کوہ پیما مالوری اور ارون اس چوٹی کو سر کرنے کی جدوجہد کے دوران غائب ہو گئے تھے۔ بالآخر اس چوٹی کو سر کرنے کا سہرا رائل جغرافیائی سوسائٹی کی ٹیم کے سر رہا۔ اس ٹیم میں سر جان ہنٹ کے علاوہ ہیلرے اور تن زنگ بھی شامل تھے۔ انہوں نے جرأت اور بہادری کی ناقابل فراموش مثال قائم کرتے ہوئے اس چوٹی کو انتہائی کامیابی کے ساتھ سر کیا تھا۔

اس کے بعد جدید ساز و سامان کی افادیت سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے کئی ممالک کے کوہ پیماؤں نے اس چوٹی کو سر کیا۔ ان ممالک میں ہندوستان...... جاپان...... امریکہ اور سوئزرلینڈ بھی شامل ہے۔ اگرچہ اس چوٹی کو سر کرنے کی جدوجہد کے دوران کئی ایک مسائل اور رکاوٹیں سامنے آتی ہیں لیکن آج تک کسی بھی کوہ پیما کی ملاقات پراسرار ییتی سے نہیں ہوئی...... یا برف کے آدمی سے نہیں ہوئی...... جس کے بارے میں مقامی لوگوں میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ برف پوش پہاڑوں پر مقیم ہے۔



اجنتا کی غاریں

بدھ مذہب کے پیروکاروں کی خانقاہیں

وسطی ہندوستان میں بدھ مت کے پیروکاروں کی خانقاہوں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے جو اس فلسفے کا ایک قابل ذکر ریکارڈ پیش کرتا ہے جس نے مشرقی سوچ وافکار پر دو ہزار برس تک اپنی گرفت مضبوط رکھی۔

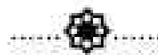
گوتم بدھ...... عظیم استاد...... جس نے یہ افکار پیش کیا کہ روحانی سکون سے اس وقت دو چار ہونا ممکن ہے جبکہ دنیا داری سے دست برداری اختیار کی جائے۔ اس کے اس افکار کی بدولت بہت سے لوگ خانقاہ کی زندگی کی جانب راغب ہوئے۔ اجنتا کے مقام پر کسی دور میں تقریباً دو صد مذہبی رہنما موجود تھے۔ انہوں نے اپنی زندگیاں بدھ مت کے اصولوں پر کاربند رہنے کیلئے وقف کر رکھی تھیں۔ انہوں نے چٹانوں میں 29 عبادت گاہیں اور خانقاہیں تراش رکھی تھیں۔

یہ تراشیدہ اور سجی سجائی غاریں بدھ مت کی افزائش اور ترقی کی نشاندہی کرتی ہیں جنہوں نے اس مذہب کے بانی گوتم بدھ کو ایک دیوتا کی مسند پر فائز کر دیا تھا۔ مذہب کی یہ نشوونما اور ارتقا جو کہ مہایانا کہلاتی ہے اس مذہب کے پیروکاروں میں فطری طور پر پروان چڑھتی رہی اور وہ اپنے مذہبی رہنما کو ایک دیوتا کا درجہ دینے پر مجبور ہو گئے۔ دوسری اور پہلی صدی قبل از مسیح میں تراشی گئی غاریں طرز تعمیر کے لحاظ سے ان غاروں سے مشابہہ ہیں جو اسی دوران یا اس سے کچھ وقت قبل پرشیا میں تراشی گئی تھیں۔ مابعد بدھ مت کی مورت ظاہر ہوتی ہے اور اس کو تصاویر (پینٹنگ) میں دکھایا گیا ہے۔

چٹان کو تراش کر تعمیر کردہ عمارات دو اقسام کی حامل ہیں:۔

عبادت کیلئے کمرے یا عبادت گاہ سابقہ لکڑی کے ڈھانچوں پر بنیاد کرتے ہیں جبکہ خانقاہ کی رہائشیں ایک وسطی برآمدے کے اردگرد قائم کی گئی ہیں۔

اجنتا کے مقام پر چٹان کو تراش کر تعمیراتی کام ایک اعلیٰ معیار کا حامل تعمیراتی کام ہے اور پینٹنگ جات ہندوستان میں بدھ مت آرٹ کا اعلیٰ ترین شاہکار ہیں...... اس طرح اجنتا کو دنیا کے عجوبوں میں شامل ہونے کیلئے دوہری وجہ حاصل ہوئی ہے۔



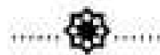
تاج محل

شاہجہان پانچواں مغل شہنشاہ تھا۔ وہ 17 ویں صدی میں ہندوستان کا حکمران تھا۔ اس کے دور حکومت کے دوران تعمیر نو کی ایک لہر جاری رہی جس میں دہلی اور لال قلعہ بھی شامل ہے۔ اس کی تعمیر کردہ مشہور عمارت تاج محل تھا جو اس نے اپنی چہیتی بیوی ممتاز کی یاد میں تعمیر کروایا تھا۔ وہ اس کی پسندیدہ ملکہ تھی۔ اس کے بطن سے نو بچوں نے جنم لیا تھا۔ اپنے دور حیات کے دوران اس نے کئی ایک سفروں کے دوران شہنشاہ کی رفاقت سرانجام دی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی ذمہ داریوں کی سرانجام دہی میں اس کی معاونت سرانجام دی تھی۔ وہ اپنی رحم دلی اور پارسائی کے لئے مشہور تھی۔

1629ء میں جب ممتاز وفات پا گئی...... شاہجہان نے اس کے مقبرے کو ایک شاہکار بنانے کی ٹھانی۔ اس نے اس مقصد کیلئے دریائے جمنا کے نزدیک جگہ کا انتخاب کیا اور اپنے خوابوں کے تاج محل کو حقیقت کا روپ دے ڈالا۔ تاج محل میں باغات ہیں جن میں نہریں بہتی ہیں...... پتھروں سے بنائی گئی دیواریں ہیں...... مینار ہیں اور ایک بڑا دروازہ ہے۔ اس کی اونچائی تقریباً 30 میٹر (100 فٹ) ہے۔

یہ مقبرہ بنیادی طور پر ایک مربع شکل کا حامل ہے جو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا ہے۔ اس کے مینار 41.75 میٹر (137 فٹ) اونچائی کے حامل ہیں۔

جب تاج محل کی تعمیر اپنے اختتام کو پہنچی تب شاہجہان کا یہ ارادہ تھا کہ دریا کے مخالف کنارے پر اپنے لئے بھی سنگ مرمر کا ایک مقبرہ تعمیر کروائے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس کا بیٹا اورنگ زیب اس کے خلاف آمادہ بغاوت ہو گیا اور اس کو آگرے میں نظر بند کر دیا۔ 1666ء میں شاہجہان موت سے ہمکنار ہو گیا اور تاج محل میں اپنی بیوی کے قدموں میں دفن ہوا۔



بورو بودر

گوتم بدھ کی عبادت گاہ

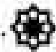
انڈونیشیا کے شہر جکارتہ کے نزدیک جزیرہ جاوا پر تعمیر کردہ عبادت گاہ دنیا کی قابل ذکر عبادت گاہوں میں ایک عبادت گاہ ہے۔ 18ویں صدی میں اسے گوتم بدھ کے نام سے منسوب کیا گیا تھا۔ اس میں بہت سے ایسے افکار سموئے ہوئے ہیں جن کی تعلیم گوتم بدھ نے دی تھی۔

یہ عمارت کسی تعمیراتی طرز کی حامل ہونے کی بجائے سیڑھیوں کی حامل ایک پہاڑی کی مانند ہے۔ اس کے پانچ ٹیرس ہیں۔ ہر ایک ٹیرس سکون کامل کے حصول کے اقدامات میں سے ایک اقدام کی نمائندگی کرتا ہے۔ گوتم بدھ کے مطابق یہ مادی خواہشات سے دست برداری ہے۔ عبادت گاہ کی چوٹی پر ایک پلیٹ فارم بنا ہوا ہے جس کے اوپر ایک خوبصورت گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ نروانا کی نمائندگی کرتا ہے بالفاظ دیگر مکمل سکون کی حالت کی نمائندگی کرتا ہے۔

بڑے گنبد کے اردگرد گھنٹی کی شکل کے حامل چھوٹے گنبد ہیں۔ ہر ایک کے درمیان گوتم بدھ کا ایک مجسمہ رکھا ہے۔

نچلے ٹیرس بت تراشی سے سجائے گئے ہیں۔ اس میں 432 طاقچے ہیں جن میں گوتم بدھ کے مجسمے رکھے ہیں۔ بدھ مت اس وقت جاوا میں پہنچا جبکہ یہ اپنی سرزمین پر زوال سے ہمکنار ہو رہا تھا اور اس کی قوت تادیر قائم نہ رہ سکی۔ دو صد برس بعد اس عبادت گاہ کی عمارت مزید استعمال میں نہ رہی اور جس مقام پر یہ عمارت واقع تھی اس مقام پر جنگل اگنا شروع ہو گیا۔

اس عمارت کا طرز تعمیر ایسا ہے جیسا طرز تعمیر کمبوڈیا میں اپنایا گیا تھا۔



اینگ کوروت

جنگل میں مدفون ماضی کی ایک تہذیب

دنیا کے محلات اور عبادت گاہیں جو کسی ماضی کی تہذیب کی عکاسی کرتی ہیں ان میں ورطہ حیرت میں مبتلا کر دینے والی ماضی کی ایک تہذیب کمبوڈیا میں اینگ کوروت ہے۔ ہینری مہوت نے جب اس تہذیب کو دریافت کیا اس وقت یہ تہذیب جنگل میں مدفون تھی۔ وہ ایک فرانسیسی فطرت پرست تھا اور اس نے 1858ء میں اس تہذیب کو دریافت کیا تھا۔ جنگل میں مدفون اس تہذیب کو جب سالہاسال کی جدوجہد کے بعد منظر عام پر لایا گیا تو یہ انکشاف ہوا کہ یہ 48.28 کلومیٹر (30 میل) مربع رقبے پر مشتمل ہے اور اس رقبے پر عبادت گاہیں اور محلات پائے جاتے تھے جو خمر تہذیب سے متعلق تھے۔

خمر اس علاقے کے حکمران تھے جو آج کل لاؤس...... برما اور ویت نام پر مشتمل ہے۔ وہ طاقت ور اور ذہین لوگ تھے جنہوں نے 800 اور 1200 بعد از مسیح کے درمیان ایک سلطنت قائم کی تھی جس کا مرکز کمبوڈیا تھا۔ ان کا مذہب ہندومت کی طرز کا حامل تھا اور اس میں فطرت کی پرستش کا عنصر بھی پایا جاتا تھا۔

اینگ کوروت کی عبادت گاہ سُریا ورام II کے دورِ حکومت کے دوران تعمیر کی گئی تھی اور وشنو کے نام سے منسوب کی گئی تھی۔ اس کا کل علاقہ 914.4 میٹر (3,000 فٹ) لمبائی کا حامل ہے جو ایک دیوار میں گھرا ہوا ہے جس میں پانچ مینار بھی تعمیر کیے گئے ہیں۔

اس عبادت گاہ کے نزدیک اینگ کورتھوم شہر کی باقیات موجود ہیں...... یہ شہر خمروں کا دارالحکومت تھا۔ اس کی تعمیر کے تین صد برس بعد تمام تر علاقہ بنجر بیابان ہو گیا اور علاقے میں نہ صرف جنگل اگ آئے بلکہ جنگلی جانور بھی اس علاقے کی زینت بن گئے۔ وسیع پیمانے پر یہ بیابانی ایک بھید اور راز ہی رہا۔ شاید یہ بھید مستقبل کے ماہر آثار قدیمہ کھول سکیں۔



شیوڈاگون

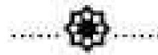
مخروطی شکل کا سنہری گنبد

شیوڈاگون دنیا میں ایک بلند ترین مذہبی عمارت ہے جو رنگون کے نزدیک واقع ہے۔کوئی نہیں جانتا کہ یہ عمارت کب تعمیر کی گئی تھی۔اس امر کی بھی شہادت موجود ہے کہ 1362ء میں اس عمارت کی مرمت سرانجام دی گئی تھی۔لہٰذا یہ کم از کم چھ صد برس پرانی عمارت ہے۔

اس عمارت کی زندگی کے دوران اس میں کئی ایک تبدیلیاں اور اضافے ہوتے رہے تھے جن میں سے سب سے اہم کام شاہ منڈن من کے دور حکومت میں سرانجام پایا تھا جس نے 1871ء میں 4.5 ملین پونڈ کی خطیر رقم صرف کرتے ہوئے اس عمارت کے بڑے گنبد کو سونے کا بنوایا تھا جس پر پہلے ہی قیمتی پتھر اور ہیرے جواہرات لگے ہوئے تھے جو 18ویں صدی میں اس گنبد کی زینت بنائے گئے تھے۔

آج......شیوڈاگون......جو اپنی بنیاد سے خالص سونے کی شکل میں دکھائی دیتی ہے......زائرین کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔گوتم بدھ کے آٹھ عدد بال اس عمارت کی زینت بننے کے بعد اس کی حیثیت مزید تقدس اختیار کر چکی ہے۔ایک روائت کے مطابق دو بھائی ان بالوں کو لائے تھے جن کے نام تاپوسا اور بلیکت تھے۔

مخروطی گنبد 55 میٹر (180 فٹ) بلند ٹیلے پر کھڑا ہے اور 62,709 مربع میٹر (75,000 مربع گز) رقبے پر محیط ہے۔



ھوریو۔جی

بدھ مت آرٹ کا ایک خزانہ

جاپان میں نارا کے نزدیک ھوریو۔جی واقع ہے۔ یہ اس ملک میں بدھ مت کی قدیم ترین عبادت گاہ ہے۔ اس عمارت کا تعلق 7 ویں صدی سے ہے اور یہ عبادت بدھ مت آرٹ کا ایک نادر خزانہ ہے۔ اس کا بڑا ہال یا کوندو شاید دنیا کی قدیم ترین لکڑی کی عمارت ہے اور اس عبادت گاہ کی دیگر عمارات بھی ایسی ہیں جو اپنے طرزِ تعمیر کے لحاظ سے خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان عمارات میں پانچ منزلہ مخروطی شکل کا مندر ہے جس کی بلندی 31.7 میٹر (105 فٹ) ہے۔

بڑا ہال یا کوندو اس مخروطی شکل کی حامل عمارت کی مشرق کی جانب واقع ہے۔ یہ ایک دو منزلہ عمارت ہے اور اس کی چھت بھی بہت عمدہ ہے۔ اس کے اندر کانسی کے مجسمے نصب ہیں۔

دیگر عمارات میں لیکچر ہال بھی شامل ہے جہاں پر بدھ مت کے مکمل صحیفے ذخیرہ کئے گئے ہیں۔ ھوریو۔جی کے عظیم خزانے ایک جدید کنکریٹ سے بنائی گئی عمارت میں محفوظ ہیں۔ ان میں مجسمے بھی شامل ہیں۔

ھوریو۔جی کا مشرقی حصہ زیادہ جدید عمارات پر مشتمل ہے۔ ایک 18 ویں صدی کا ہال بھی موجود ہے جو شہزادہ شوٹوکو کے محل کے قریب تعمیر کردہ ہے......شہزادہ شوٹوکو ھوریو۔جی کا بانی تھا۔ ایک تبلیغی ہال بھی موجود ہے جو کہ درحقیقت شہنشاہ کے دربار کی ایک خاتون رکن کی رہائش گاہ کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔



دیوار چین

چین کی عظیم دیوار

دنیا کا طویل ترین دفاعی نظام

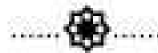
2,414 کلومیٹر (1,500 میل) لمبی عظیم دیوار قدیم چینیوں کے دفاع کی ایک عظیم ضمانت تھی۔ یہ دیوار انہیں شمالی قبائل کے حملہ آوروں سے تحفظ فراہم کرتی تھی۔ پہلی دیوار کی تعمیر کا آغاز چن شی ہوانگ نے تیسری صدی قبل از مسیح کیا تھا۔ اس نے اس دیوار کے موجود حصوں کو آپس میں جوڑتے ہوئے مسلسل دفاع کا ایک معقول انتظام سرانجام دیا تھا۔

دیوار کی تعمیر کے کام میں تیزی لانے کی غرض سے لاکھوں کاریگروں کو کام پر لگایا گیا۔ حتیٰ کہ مجرموں کو بھی آزاد کرتے ہوئے اس تعمیری سرگرمی پر جھونک دیا گیا۔ یہ لاکھوں کاریگر بھی اس کی زندگی میں دیوار کی تعمیر کا کام مکمل نہ کر سکے۔

14 ویں صدی میں ایک اور دیوار کی تعمیر کا منصوبہ بنایا گیا جس کی لمبائی 16,093 کلومیٹر (10,000 میل) تھی۔ اس دیوار کی تعمیر کی ذمہ داری مینگ شہنشاہوں نے اٹھائی تھی جن کو اب منگول قبائل کی جانب سے حملہ کا خطرہ درپیش تھا۔

مینگ شہنشاہوں نے بھی دیوار کی تعمیر کیلئے وہی طرز تعمیر اپنایا جو طرز تعمیر چن شی نے اپنایا تھا اور پتھروں کی بنیاد پر اینٹوں کی دیوار کی تعمیر شروع کی۔ ہر 150 میٹر (492 فٹ) کے فاصلے پر ایک ایک مینار بھی تعمیر کیا گیا جن میں محافظ پہرہ دیتے تھے۔

اس دیوار کی تعمیر کے باوجود بھی چین کا شمالی علاقہ ایک محفوظ علاقہ تصور نہ کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ آج بھی اس سرحد پر فوج تعینات کی جاتی ہے۔



چین کی عظیم دیوار کے بارے میں حقائق

کل لمبائی	3,219 کلومیٹر (2,000 میل) بشمول شاخیں وغیرہ
اونچائی	6 تا 15 میٹر (20 تا 50 فٹ)
چوڑائی	4.5 تا 7.6 میٹر (15 تا 25 فٹ)
ٹاور (مینار)	9 میٹر (30 فٹ) بلندی، 6 میٹر (20 فٹ) چوڑائی

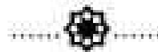
پیکنگ

ممنوعہ شہر

چین کی عظیم دیوار سے 80 کلومیٹر (50 میل) جنوب کی جانب ممنوعہ شہر واقع ہے۔ اس شہر کی پہلے پہل تعمیر فاتح قبلائی خان نے سرانجام دی تھی۔ اس منگول شہنشاہ کے دور کے دوصد برس بعد 15 ویں صدی میں ینگ لُو نے اس شہر کی منصوبہ بندی سرانجام دی تھی۔ وہ شہر جس کے اندر ممنوعہ شہر واقع ہے 64.75 مربع کلومیٹر (25 مربع میل) رقبے کا حامل ہے۔ یہ مستطیل شکل کا حامل شہر عمارات اور باغات کا بھی حامل ہے جو کہ دیواروں میں گھرے ہوئے ہیں اور اندرونی اور بیرونی شہر میں تقسیم ہیں۔

حقیقی ممنوعہ شہر اندرونی شہر میں واقع ہے جس کا بڑا داخلی دروازہ آسمانی امن کا دروازہ کہلاتا ہے۔ اس دروازے سے پہلے ایک بڑا اسکوائر ہے جہاں پر پریڈ وغیرہ منعقد ہوتی ہیں۔ خندق کو عبور کرنے کے لئے سنگ مرمر کے پانچ پل موجود ہیں۔ شہنشاہوں کے دور میں شہنشاہ دو متوازی جلوسوں کی ہمراہی میں وسطی پل سے شہر میں داخل ہوتا تھا۔ پانچ متوازی راستے ایک برآمدے اور ایک دوسرے دروازے کے ذریعے شہر کو جاتے ہیں اور نصف النہار کے بڑے گیٹ (دروازے) تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس کے بعد ایک اور برآمدہ آتا ہے اور اس کے بعد برتر ہم آہنگی کا دروازہ آتا ہے جو اسی نام کے ہال کی جانب لے جاتا ہے جہاں پر شاہی تخت بچھا ہوتا ہے۔ یہ ممنوعہ شہر کا دل ہے اور محض شہنشاہ اور اس کے نزدیکی خادم ہی اس جگہ تک رسائی حاصل کر سکتے تھے۔

بیرونی شہر میں جنوب کی جانب ایک مستطیل شکل کا حامل علاقہ ہے جو اندرونی شہر کے ساتھ جا ملتا ہے۔ اس میں آسمانی قربان گاہ موجود ہے جہاں پر محض شہنشاہ ہی آسمان کو قربانی پیش کر سکتا تھا کیونکہ اس کو زمین پر اس کا حقیقی نمائندہ تصور کیا جاتا تھا۔ درحقیقت یہ قربان گاہ ایک بہت بڑا علاقہ ہے جس کے اردگرد دیواریں تعمیر کی گئی ہیں۔ اس میں لاتعداد عبادت گاہیں ہیں جن میں سب سے اہم آسمان کی عبادت گاہ ہے۔ اس عبادت گاہ میں کبھی کبھار ہی عبادت سرانجام دی جاتی تھی اور وہ بھی شہنشاہ کی موجودگی میں سرانجام دی جاتی تھی۔



لاہور کا قلعہ

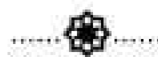
پنجاب کی کنجی

1524ء میں مغل شہنشاہ بابر کے پہنچنے سے بیشتر ہی لاہور کو ایک اہم اہمیت حاصل تھی اور یہ وہ مقام تھا جہاں سے پنجاب کی سونا اگلتی زمینوں کو کنٹرول کیا جاتا تھا۔ مغلوں کے دور حکومت میں لاہور مزید پھلا پھولا۔ اس کی وسعت اور خوبصورتی دونوں میں اضافہ ہوا۔ لاہور کی شان میں مزید اضافہ کرنے والے اور اسے ایک نئے لاہور کا درجہ دینے والے دو مغل شہنشاہ تھے ...... شہنشاہ اکبر ...... اور شہنشاہ شاہجہان۔ شہنشاہ اکبر جس کا دور حکومت 1556ء تا 1605ء تک محیط تھا...... اس نے شہر کی دیواروں کی تعمیر کروائی۔ یہ قلعہ آنے والی نسلوں کیلئے لاہور کے ایک عظیم قلعے کا روپ دھار گیا۔ قلعے کی دیواروں میں اکبر نے مستی گیٹ نصب کروایا...... ایک وسیع پیمانے کی حامل تعمیر جسے قلعے کی فصیل (دندانے دار برج نما دیوار) کہا جاتا ہے تاکہ قلعے کی مشرقی جانب کی حفاظت بخوبی ممکن ہو سکے۔

اکبر کے بیٹا جہانگیر نے بھی اپنے باپ کے تعمیراتی کام کو جاری رکھا اور محراب دار چھتوں کی حامل عمارات کا اضافہ کیا۔ وہ فطرت میں دلچسپی رکھتا تھا اور اپنی اسی دلچسپی کی بنا پر اس نے قلعے کے دیوان عام کی آرائش و زیبائش سرانجام دی۔

شاہجہان ...... جس نے تاج محل تعمیر کروایا تھا اس نے بھی لاہور قلعے کا ایک حصہ اپنی ملکہ سے منسوب کیا اور یہ حصہ شیش محل کہلاتا تھا۔ اس کو شیش محل اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کی آرائش و زیبائش کے لئے شیشے کا بخوبی استعمال کیا گیا تھا۔ شاہجہان نے بھی اس قلعے میں کئی ایک عمارات تعمیر کروائیں تھیں جن میں دیوان خاص ...... اور موتی مسجد شامل تھی۔ یہ عمارات سنگ مرمر سے تعمیر کروائی گئی تھیں۔ مغل حکمرانی کے آخری دور میں اورنگ زیب نے بھی اس قلعے میں مزید عمارات کا اضافہ کیا تھا جس میں عالمگیر گیٹ بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ اس نے قلعے کی چار دیواری سے باہر واقع مشہور زمانہ بادشاہی مسجد بھی تعمیر کروائی تھی۔

مغل حکمرانی کے خاتمے کے بعد لاہور پر سکھوں کی حکومت قائم ہوئی۔ انہوں نے بھی اس شاندار قلعے کی تعمیر میں اپنا حصہ بنایا۔ اب یہ قلعہ اپنی خوبصورت ترین عمارات سمیت مستقبل کی نسلوں کے لئے محفوظ کر لیا گیا ہے۔



ہانگ کانگ

بدیسی شہد کی مکھیوں کا ایک چھتا

جزیرہ ہانگ کانگ اور کولون محض 85.43 مربع کلومیٹر (33 مربع میل) رقبے پر مشتمل ہے۔ لیکن کالونی کی چار ملین سے زائد آبادی کا بیشتر حصہ وہاں پر ہی رہائش پذیر ہے۔ جس کے نتیجے میں شہر ہانگ کانگ گنجان آبادی کا حامل ہے اور بلند و بالا عمارات کا حامل ہے۔ اس کی گلیاں اور بازار ہمیشہ لوگوں کے ہجوم سے بھرے رہتے ہیں۔ تاہم یہ صورت حال ہمیشہ سے ہی قائم نہ تھی۔

جب مغربی طاقتوں نے پہلے پہل چین کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی......اس وقت ہانگ کانگ تقریباً آبادی سے خالی تھا۔ محض مخصوص صوبے میں تجارتی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت فراہم کی گئی تھی اور یہ اجازت شہنشاہ مان چُو نے فراہم کی تھی جو تمام غیر ملکیوں کو وحشی تصور کرتا تھا۔ عین ممکن ہے کہ اس کا یہ تصور درست ہو کیونکہ اہل مغرب نے افیم چین سمگل کرنا شروع کر دی تھی اور جلد ہی یہ نشہ ایک قومی نشے کی شکل اختیار کر گیا تھا اور اہل مغرب کے اس عمل درآمد کی بدولت چین اور برطانیہ کے درمیان افیم جنگ شروع ہوگئی اور 1842ء میں نان کنگ سمجھوتے کے تحت اس جنگ کا خاتمہ ہوا اور اس سمجھوتے کے تحت ہانگ کانگ برطانیہ کے زیر تسلط آ گیا۔ یہ جزیرہ مشرق کا اہم درآمدی اور برآمدی مرکز بن گیا اور حالیہ برسوں میں یہ ایشیا کے ایک اہم صنعتی علاقے کا روپ دھار چکا ہے۔ ہانگ کانگ...... ہانگ کانگ جزیرے......کولون اور مین لینڈ کے نئے علاقہ جات پر مشتمل ہے۔ چین نے یہ نئے علاقے 1998ء تک برطانیہ کو لیز پر دے رکھے تھے۔ ہانگ کانگ ایک مثالی مقام کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ یہاں بڑے بڑے ہوٹل اور جدید گاڑیاں وافر تعداد میں موجود ہیں اور اس کی گلیاں اور بازار دوکانوں کے ہجوم سے بھرے پڑے ہیں۔



چیچن اٹزا

ایک ظالم تہذیب کی یادگار

میکسیکو کے مایا انڈین ان لوگوں کی اولاد ہیں جو ایشیا سے امریکہ پہنچے تھے۔انہوں نے ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھی تھی جو وحشیانہ مظالم پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ دانش ورانہ استعداد پر بھی مبنی تھی۔ بالفاظ دیگر وحشیانہ مظالم اور دانش وری دونوں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ موجود تھے۔

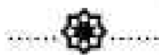
ایک طرف تو مایا لوگ انسانی قربانی کی رسم کے حامل تھے...... وہ اپنے زندہ شکار کے دل نکال کر اپنے دیوتا کے حضور پیش کرتے تھے اور دوسری طرف انہوں نے فلکیات کی سائنس کے علاوہ تعمیراتی آرٹ اور ریاضی کے میدان میں کارنامے سرانجام دیے تھے۔تاہم حیران کن بات یہ ہے کہ اس دانش وری کے حصول کے باوجود بھی انہوں نے ایک پہیہ تک ایجاد نہ کیا تھا۔

اس تہذیب کا مرکز چیچن اٹزا تھا۔اس کے خزانے کا دریافت کنندہ تھامسن تھا۔ وہ ایک امریکی باشندہ تھا۔اس نے اپنی تمام تر زندگی مایا لوگوں کے بھید اور اسرار تلاش کرنے میں گزار دی تھی۔

چیچن اٹزا ان عبادت گاہوں میں ایک مزید اضافہ تھا جو مایا لوگوں نے اپنے دیوتاؤں کیلئے تعمیر کر رکھی تھیں۔ یہ عمارات کے ایک کمپلیکس پر مشتمل ہے۔اس کا رقبہ 3.2×2 کلومیٹر (2 × 1¼ میل) ہے۔اس کی سب سے بڑی عمارت سورماؤں کی عبادت گاہ ہے...... 12ویں صدی کی روحانیت کی بلندی کی آماجگاہ...... چکمول کی پرانی عبادت گاہ کے اوپر تعمیر کردہ۔اس کے وسط میں کار ٹیلو واقع ہے...... اونچائی کی حامل ایک عمارت جس کی صحن میں قربانی کا کنواں ہے۔جس میں کسی دور میں نوجوان لڑکیوں کو پھینکا جاتا تھا تاکہ دیوتاؤں کو خوش کیا جا سکے اور ان کی خوشنودی حاصل کی جا سکے۔

چیچن اٹزا کا ایک حُسن اس کے ستونوں کی وہ قطار ہے۔جس نے اسکوائر اور گریٹ مارکیٹ مرکاڈو کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ یہ اسکوائر مایا لوگوں کے لئے وہی کردار ادا کرتا تھا جو روم فورم آبادی کے اجتماع کے لئے ادا کرتا تھا۔

یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ مایا لوگ درحقیقت پُرسکون لوگ تھے...... فطرت پرست لوگ تھے جنہوں نے وسطی میکسیکو کے ان قبائل سے پُرتشدد مذہبی رسوم مستعار لی تھیں جنہوں نے ان پر فتح حاصل کی تھی۔ آخر میں تاہم وہ ان فاتحین کے ہاتھوں مغلوب ہو گئے جو ان سے بھی بڑھ کر پُرتشدد تھے جو حریصانہ طور پر سونے اور مایا لوگوں کے دیگر خزانوں پر قبضہ کرنے کے لئے آن پہنچے تھے۔



عظیم کان یون

(ایک پہاڑی نالا جس کے کناروں پر اونچی اور کھڑی چٹانیں ہوں)

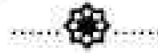
قدرت کا عظیم شاہکار

1776ء میں فرانسیسکو گریس اور سلوستری ڈی ایکالانٹ نے دریائے کولوراڈو کی تحقیق کے دوران پہلی مرتبہ اس پہاڑی نالے (کان یون) کو دیکھا تھا۔ اس امر کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے کہ اسے پہلی مرتبہ دیکھنے پر ان دونوں کے کیا تاثرات تھے۔ شاید وہ اس غیر معمولی نظارے کو دیکھ کر سکتے کے عالم میں آ گئے ہوں اور خاموشی اختیار کر لی ہو۔

یہ عظیم پہاڑی نالا (کان یون) ماربل جارج تا گرینڈ واش کلفس تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن اس کا قابل دید حصہ گرینڈ کان یون نیشنل پارک میں سمایا ہوا ہے۔ 1919ء میں 169 کلومیٹر (105 میل) کا حصہ ایک پارک ایریا قرار دے دیا گیا تھا۔

اس علاقے میں کچھ اور قدرتی عجوبے بھی موجود ہیں جیسے یادگار وادی......جس کے چٹانی ستون کئی ایک مغربی فلموں کی زینت بھی بن چکے ہیں۔

دنیا کے اس عجوبے کو دیکھنے کیلئے سالانہ بیس لاکھ سے زائد افراد اس مقام پر پہنچتے ہیں اور اس نظارے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔



عظیم کان یون کے بارے میں حقائق

ماربل جارج تا گیرنڈ واش کلفس تک لمبائی

تقریباً 450 کلومیٹر (280 میل)

چوڑائی	6.4 تا 29 کلومیٹر (4 تا 18 میل)
گہرائی	کئی ایک مقامات پر 1.6 کلومیٹر (ایک میل) سے زائد

نیاگرا آبشار

امریکہ کا عظیم قدرتی شاہکار

یہ آبشار امریکہ اور کینیڈا کے درمیان واقع ہے۔ اس کا نام نیاگرا آبشار ہے۔ اگرچہ یہ آبشار دنیا کی بڑی ترین اور طویل ترین آبشار نہیں ہے لیکن اس کے باوجود بھی یہ لوگوں کو اپنی جانب راغب کرنے میں لاجواب ہے۔ دنیا کے کسی بھی عجوبے کو دیکھنے کے لئے لوگ اتنی تعداد میں نہیں جاتے جتنی تعداد میں اس قدرتی عجوبے کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ گزرتے برسوں کے ساتھ ساتھ سیاحوں کیلئے سہولیات فراہم کرنے میں گراں قدر اضافہ ہو چکا ہے اور اس امر کی یقین دہانی حاصل کی گئی ہے کہ سیاح ہر ایک زاویے کے تحت اس آبشار سے لطف اندوز ہو سکیں اور اپنے ذوق کی تسکین سرانجام دے سکیں۔ لہٰذا آج سیاح اس آبشار کو دو میناروں کی چوٹی سے دیکھ سکتے ہیں...... ایک پل پر سے دیکھ سکتے ہیں...... نیچے سے دیکھ سکتے ہیں...... اسٹیمروں سے دیکھ سکتے ہیں اور بجلی کا پٹروں سے دیکھ سکتے ہیں۔ روشنی کا بھی معقول بندوبست کیا گیا ہے تاکہ سیاح رات کو بھی اس سے لطف اندوز اسی طرح ہو سکیں جس طرح دن کو لطف اندوز ہوتے ہیں۔

گوٹ آئی لینڈ (جزیرہ گوٹ) نے اس آبشار کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ کینیڈین کنارے پر یہ ہارس شو آبشار کہلاتی ہے اور مخالف کنارے پر امریکن آبشار کہلاتی ہے۔

نیاگرا آبشار کے بارے میں حقائق

ہارس شو آبشار

48 میٹر (158 فٹ) بلندی کی حامل

792.5 میٹر (2600 فٹ) چوڑائی کی حامل

امریکن آبشار

51 میٹر (167 فٹ) بلندی کی حامل

305 میٹر (1000 فٹ) چوڑائی کی حامل

رین بو برج کا پھیلاؤ

305 میٹر (100 فٹ)

تقریباً 94 فیصد پانی ہارس شو آبشار سے گزرتا ہے...... بقایا پانی امریکن آبشار سے گزرتا ہے۔

منہاٹن

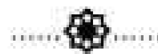
1524ء میں جب ایک جہاز ران نے اس جزیرے کو پہلی بار دیکھا تھا تب یہ جزیرہ اس قدر غیر متاثر کن تھا کہ اس نے وہاں پر رکنے کی زحمت ہی گوارانہ کی تھی۔ اس جہاز ران کا نام ویرازانو تھا۔ یہ ولندیزی تھا جو پہلے پہل وہاں پر آباد ہوا تھا اور اس نے اس جزیرے کو نیو ایمسٹر ڈیم کا نام دیا تھا۔ 1664ء میں یہ جزیرہ ان سے چھن گیا اور برطانوی تسلط میں آ گیا۔ برطانیہ نے اس کا نیا نام نیو یارک رکھا۔ یہ نام انہوں نے جیمز...... ڈیوک آف یارک کے نام پر رکھا تھا جسے چارلس II نے نئی دنیا کے حقوق سونپے تھے۔

ابتدائی آباد کار جزیزے کے اس مقام پر رہائش پذیر تھے جو آج کل بیٹری کہلاتا ہے۔ یہاں پر نیو یارک کا کاروباری مرکز ہے جہاں پر وال اسٹریٹ کی عمارات اور نیو یارک ٹیلی فون کمپنی کی دیو ہیکل عمارات واقع ہیں۔ اس کے علاول اروِنگ ٹرسٹ کمپنی...... فرسٹ نیشنل بنک...... چیز منہاٹن بنک کی کئی منزلہ عمارات واقع ہیں۔ چیز منہاٹن بنک کی عمارت 244 میٹر (800 فٹ) بلند ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کاروباری عمارات بھی واقع ہیں۔

نشیبی منہاٹن اور کاروباری مرکز کے درمیان دیہات واقع ہیں جہاں پر تارکین وطن آباد ہیں جنہوں نے اسے نیا ماحول اور اپنی اخلاقی روایات بخشی ہیں۔ یہاں پر چائنہ ٹاؤن...... چھوٹا اٹلی کے علاوہ یہودی آبادی بھی آباد ہے۔

قصبے کے وسط میں...... سنٹرل پارک کی جانب...... مزید کئی منزلوں کی حامل عمارتیں واقع ہیں۔ اگرچہ مشہور ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ اب بلند ترین عمارت کے اعزاز سے محروم ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود بھی یہ ایک قابل دید عمارت ہے۔ اب بلند ترین عمارت کا اعزاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو حاصل ہے۔ یہ عمارت 110 منزلوں پر مشتمل ہے۔ وول ورتھ بلڈنگ گوتھی طرز تعمیر کا امریکی شاہکار ہے۔

دیگر بہت سی ایسی عمارات بھی موجود ہیں جو کثیر منزلوں کی حامل ہیں اور شہر کی آب وتاب بڑھانے میں معاون ہیں۔



لاس ویگاس

جواریوں کی جنت

دنیا میں جواء کھیلنے کے جتنے بھی طریقے اور لوازمات موجود ہیں وہ سب کے سب لاس ویگاس میں دستیاب ہیں۔ ہر سال 40 لاکھ سے زائد افراد اس مقام کی سیر کیلئے آتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ لاس ویگاس دنیا کی بڑی شادی کی فیکٹریوں میں سے ایک ہے۔ یہاں پر 500 افراد کے پاس شادی کروانے کے لائسنس موجود ہیں جو لوگوں کو ازدواجی زندگی کے بندھن میں باندھنے میں مصروف ہیں۔

آج کا شاندار اور رنگین لاس ویگاس کسی دور میں کچھ بھی نہ تھا۔ اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اس کے قرب و جوار میں چاندی کے ذخائر دریافت ہونے کی بنا پر اس کو کسی قدر اہمیت حاصل ہوئی اور مابعد یہ جوئے کی دنیا کا ایک بڑا ہیڈ کوارٹر بن گیا اور اس کی قسمت چمک اٹھی۔ 1960ء سے اس کی آبادی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اور آج اس کی آبادی تقریباً تین لاکھ ہے۔ جن افراد نے یہاں پر جوئے اور دیگر تفریحات کو فروغ دینے میں نمایاں کام سرانجام دیا ان میں مشہور و معروف افراد مثلاً ھوورڈ ھوگز اور کرک کرکورین بھی شامل تھے۔

لاس ویگاس کا بڑا حصہ ''دی اسٹرپ'' کہلاتا ہے۔ یہ تفریح...... ہوٹل اور جوئے کا محل ہے جہاں پر روشنیوں کی بہتات رات کو دن میں بدل کر رکھ دیتی ہے۔ ایک اور علاقہ ڈاؤن ٹاؤن کہلاتا ہے جہاں پر ایک بڑا کنونشن سنٹر موجود ہے جہاں کاروباری اجلاس منعقد ہوتے ہیں۔

لاس ویگاس کے نزدیک بولڈر ڈیم...... جھیل میڈ وغیرہ واقع ہے۔

ڈزنی ورلڈ

تاریخ کی حیران کن قوت متخیلہ کی فیکٹری

فلوریڈا، امریکہ کا ڈزنی ورلڈ قوت متخیلہ کا حیران کن ارتکاز ہے جو اس سے بیشتر انسانی تاریخ میں کبھی یکجا نہیں ہوا۔ ڈزنی ورلڈ ایک نہیں بلکہ چھ ورلڈ ہیں اور ہر ایک دنیا عالمگیر شہرت کی حامل ہے۔

تمام تر ڈزنی ورلڈ 111.36 مربع کلومیٹر (48 مربع میل) رقبے پر مشتمل ہے اور اس میں ہوٹل...... گراؤنڈز...... گولف کے میدان اور جھیلیں وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کا مرکز میجک کنگ ڈم (جادوئی سلطنت) ہے۔ یہ مختلف اقسام کے بڑے مرکزی خیالات میں بٹا ہوا ہے۔ مین اسٹریٹ ماضی قریب کی تصویر پیش کرتی ہے۔ ڈزنی ورلڈ میں اسٹریٹ وکٹورین اور ایڈورڈین (وکٹوریہ اور ایڈورڈ) دور کی تمام تر رومانوی اور تصاویری اشیاء سے بجی ہوئی ہے۔ گھوڑوں کے بغیر گاڑیاں...... پرانے فائر انجن...... اور وکٹورین ریسٹورنٹ وغیرہ۔ وغیرہ۔

ایڈونچر لینڈ (مہماتی سرزمین) میں مہماتی ماضی کے تمام تر ہیرو اور ولن موجود ہیں۔ ٹمبکٹو کے تاجر افریقہ میں تجارت کے ایام کی تخلیق نو کرتے ہیں اور جنگل کا گشت مسافروں کو مگرمچھوں سے بھری ہوئی دلدل اور جنگلی حیات سے اٹے پڑے دریا کے کناروں سے گزارتا ہے۔

ایک اور دنیا مشہور داستانوں کے مرکزی خیال پر بنیاد کرتی ہے۔ ان میں سے بہت سی کہانیاں والٹ ڈزنی فلموں کا موضوع ہیں۔

مستقبل سٹار جیٹ کے ہمراہ ایک اور ثمر آور مرکزی خیال ہے۔ مریخ اور خلا کا مشن...... یہ دنیا مستقبل کی تصوراتی دنیا کا ایک منظر پیش کرتی ہے۔

سالانہ 12 ملین افراد اس ڈزنی ورلڈ کی سیاحت کیلئے آتے ہیں۔ یہ ایک ایسی تفریح گاہ ہے جو انسانی تاریخ میں ایک مثالی تفریح گاہ کہلانے کی مستحق ہے۔



مونٹ پلومر

سفید گنبد کی حامل مشاہدہ گاہ جو کیلیفورنیا میں مونٹ پلومر پر 1,707 میٹر (5,600 فٹ) کی بلندی پر قائم کی گئی ہے خلا کے بھید دریافت کرنے میں مصروف ہے اور اس وقت سے مصروف جب سے اس پر 1947ء میں دیوہیکل ٹیلی اسکوپ نصب کی گئی تھی۔ یہ دیوہیکل ٹیلی اسکوپ انسانی آنکھ سے 360,000 گناہ زائد روشنی حاصل کرتی ہے اور خلا میں واقع ان اجسام کی تصاویر لیتی ہے جو روشنی کے اربوں برسوں کے فاصلے پر موجود ہیں۔ روشنی کا ایک برس کا فاصلہ وہ فاصلہ ہے جو روشنی ایک برس میں طے کر سکتی ہے جو 9.5 کھرب کلو میٹر (6 کھرب میل) بنتا ہے۔

اس طاقتور اور حساس ٹیلی اسکوپ کی بدولت بہت سے مشہور و معروف ماہر فلکیات نے کائنات کے بارے میں نئے حقائق کا انکشاف کیا ہے۔ البرٹ اے۔ مچل سن نے یہ انکشاف کیا کہ ستاروں کے قطر کی پیمائش کرنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔

زمین کی اس دیوہیکل ٹیلی اسکوپ کا نام ایک نامور اور مشہور و معرف ماہر فلکیات کے نام پر رکھا گیا تھا......اس نامور ماہر فلکیات کا نام جارج ہیل تھا جو ایک اور مشہور و معروف مشاہدہ گاہ کا ڈائریکٹر تھا جس کا نام مونٹ ولسن تھا۔

ہیل ٹیلی اسکوپ مونٹ پلومر کی واحد ٹیلی اسکوپ نہیں ہے جو خلا کے بارے میں انسانی علم میں مسلسل اضافے کا باعث بنی ہوئی ہے۔ بلکہ وہاں پر ایک شمٹ ٹیلی اسکوپ بھی موجود ہے۔ یہ آسمان میں اجسام کو تلاش کرتی ہے اور ان کے نقشے بناتی ہے اور ہیل ٹیلی اسکوپ سے 800 گنا زائد آسمانی رقبے کا احاطہ کرتی ہے۔

ایسٹر آئی لینڈ (جزیرہ ایسٹر)

دھنسے ہوئے براعظم کی باقیات

جنوبی بحرالکاہل میں شمالی چلی کے ساحل سے دو ہزار میل (3,218 کلومیٹر) دور ایسٹر آئی لینڈ واقع ہے۔ اس میں دیوہیکل تراشیدہ سر موجودہ ہیں جو خلا میں گھور رہے ہیں اور کچھ بھی ظاہر نہیں کر رہے......کوئی انکشاف نہیں کر رہے......اپنے ماخذ یا اپنے مقصد کے بارے میں کچھ نہیں بتا رہے۔

کچھ لوگ اس رائے کے حامل ہیں کہ ایسٹر آئی لینڈ ایک بڑے براعظم کی باقیات ہے جو لہروں تلے دب گیا تھا۔

یہ جزیرہ راپانیو بھی کہلاتا ہے۔ اس جزیرے کو ایک ولندیزی ایڈمرل نے دریافت کیا تھا۔ اس کا نام جیکب روگ وین تھا۔ اس نے اس جزیرے کو 1722ء کے ایسٹر سنڈے کو دریافت کیا تھا۔ 1888ء کو اس جزیرے کا الحاق چلی کے ساتھ ہوا تھا اور اس کے نام کا اسپینی زبان میں ترجمہ بطور راز لاڈی پاسکا ہوا تھا۔ چونکہ اہل جزیرہ میں جذام کا مرض عام تھا لہٰذا اہل چلی نے انہیں جزیرے کے ایک حصے تک محدود کر دیا اور جزیرے کے باقی ماندہ حصے کو مویشیوں اور بھیڑوں کے لئے مخصوص کر دیا۔

مجسمے جو اپنے تخلیق کنندگان کی یاد دلاتے ہیں...... یہ مجسمے 3.5 تا 6 میٹر (12 تا 20 فٹ) اونچائی کے حامل ہیں اور کچھ مجسمے ہیٹ پہنے دکھائی دیتے ہیں۔ اس طرح ان کی اونچائی میں ہیٹ کی اونچائی شامل کرتے ہوئے ان کی اونچائی میں مزید 1.8 میٹر (6 فٹ) کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ایسی چٹان سے بنائے گئے ہیں جو ٹیوفا کہلاتی ہے۔ ان مجسموں کے علاوہ اس جزیرے سے کوئی قابل ذکر چیز دریافت نہیں ہوئی۔ وہاں پر کوئی دھاتی اشیاء یا ظروف وغیرہ نہیں پائے گئے۔

جزیرے کی ایک روائت کے مطابق یہ داستان مشہور ہے کہ لمبے اور چھوٹے کانوں کے حامل لوگوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی اور اس جنگ نے وہ سب کچھ نیست و نابود کر کے رکھ دیا تھا جو سب کچھ اہل جزیرہ کے معاشرے نے تخلیق کیا تھا۔

تاہم جزیرہ ایسٹر کا راز اور بھید اور اس کے خاموش مجسمے تحقیقات کا دائرہ وسیع کرنے اور نئی تھیوری جات کو منظر عام پر لانے کیلئے راغب کرتے رہیں گے۔



گلاپاگوز جزیرے

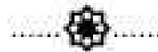
نظریہ ارتقا کا زندہ ثبوت

گلاپاگوز جزیروں نے ڈارون کو وہ سب کچھ فراہم کیا جس کی اسے اپنے نظریہ ارتقا کو ثابت کرنے کیلئے ضرورت تھی۔ یہ جزیرے بحرالکاہل میں خط استوا پر 965.6 کلومیٹر (600 میل) ایکوآڈور کے مغرب میں واقع ہیں۔ فطرت پرست اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ ان جزیروں پر جانور موجود تھے جہاں پر انہوں نے اپنی حقیقی نوع اور اقسام سے مختلف خصوصیات اپنالی تھیں۔

ڈارون کا نظریہ کہ زمین پر تمام نوع اور اقسام نے نشوونما پائی اور یہ وہ نہ تھیں جو اپنی تخلیق کے دن تھیں۔ گلاپاگوز کے جانور اس کے اس نظریے کو درست ثابت کرتے ہیں۔ 1853ء میں جب اس نے اس جزیرے کا دورہ کیا تو اس نے دیکھا کہ گلاپاگوز کے پرندے اور جانور کس طرح تبدیل ہو چکے تھے اور ان میں یہ تبدیلی مقامی ماحولیاتی دباؤ کا نتیجہ تھی۔ مثال کے طور پر ایک آباؤ اجداد سے وہ کئی نوع اور اقسام میں نشوونما پا چکے تھے۔ ان کی خصوصیات مختلف تھیں جو ان کے بقا کی ضروریات کی تکمیل کرتی تھیں۔ دیگر جانور جنہوں نے مقامی ماحول کو قبول کر لیا تھا وہ دیوہیکل کچھوے تھے جو اب ناپید ہو چکے ہیں۔

گلاپاگوز 1535ء میں دریافت ہوئے تھے۔ وہ سطح سمندر سے 2133.6 تا 3,048 میٹر (7,000 تا 10,000 فٹ) بلندی پر واقع ہیں۔

اس جزیرے کے مکین بکریاں اور مویشی پالتے ہیں۔ اگرچہ یہ جزیرہ دور دراز واقع ہے لیکن نظریہ ارتقا میں 20 ویں صدی کی دلچسپی نے اس جزیرے کے مکینوں کو سیاحوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا مستحق بنا دیا ہے۔



ماچوپکچو

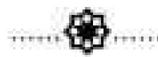
انگ کا سلطنت کا آخری مورچہ

جنوبی امریکہ میں انگ کا سلطنت (انگ کا پیرو کے قدیم بادشاہوں اور شہزادوں کا نام تھا) تمام کی فرانسسکو پیزارو کے ہاتھوں فتح ہونے کی داستان پھوٹ اور لالچ کی ایک داستان ہے۔ 1532ء میں انڈین کے آپس کے لڑائی جھگڑوں نے پیزارو کو یہ موقع فراہم کیا جس موقع کی وہ تلاش میں تھا...... انگ کا پر قبضہ جمانے کا موقع اور انگ کا سلطنت کا سونا اور خزانہ ہڑپ کرنے کا موقع...... لیکن اس کی فتح عارضی فتح ثابت ہوئی۔ اسپینی مہم جوؤں اور پیزارو کے درمیان لڑائی چھڑ گئی اور پیزارو اور اس کے کئی ایک ساتھی مارے گئے۔

1911ء میں ہرم بنگ ہام نامی ایک امریکی نے جب ماچوپکچو دریافت کیا اس وقت یہاں پر جنگل ہی جنگل تھا اور تباہ شدہ عمارات کے علاوہ کچھ بھی باقی نہ بچا تھا۔ عمارات کی یہ باقیات انگ کا کی تعمیراتی مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ ان عمارات میں عبادت گاہیں...... مقبرے...... پتھر کے واٹر بیسن اور ہزاروں پتھر اور ہزاروں پتھروں کی سیڑھیاں بھی شامل تھیں جو پہاڑی شہر کے کئی ایک ٹیرس جات تک جاتی تھیں۔

ماچوپکچو میں انسانی رہائش کا بہت کم ثبوت ملتا ہے...... جیسا کہ مدفون شہروں میں مجسمے اور گھریلو ساز و سامان پایا جاتا ہے لیکن یہاں پر یہ سب کچھ ناپید ہے۔ کیا یہ سب کچھ دریافت کرنے کے بعد لوٹ مار کی نذر ہو چکا ہے؟ ماچوپکچو ایک معمہ ہی بنا رہے گا اور یہ معمہ کبھی حل نہ ہوگا۔

انگ کا بغاوت کے بعد ایک کٹھ پتلی حکمران مانکو کا پاک حکمران بنا لیکن مانکو II کے دور میں انڈین نے ایک مرتبہ پھر گوریلا جنگ شروع کر دی۔ اسپین کی افواج نے مانکو کا تعاقب کیا۔ وہ پکڑا گیا اور مارا گیا۔ وہ انگ کا سلطنت کا آخری حکمران تھا۔



ماچوپکچو کے بارے میں حقائق

کوزکو۔ پیرو کے شمال مغرب کی جانب

80.4 کلومیٹر (50 میل)

2,057 میٹر (6,750 فٹ) سطح سمندر سے بلند

609 میٹر (2,000 فٹ) دریائے یوروبمبا سے بلند

ہرم بنگ ہام نے دریافت کیا تھا۔

اگوازو آبشاریں

جنوبی امریکہ کے گریٹ واٹرز

گوارانی قبیلے جو برازیل اور پراگے کی جنوبی سرحدوں پر رہائش پذیر ہیں۔ جہاں پر وہ ارجنٹائن ری پبلک کے ساتھ جا ملتی ہیں وہ دریائے اگوازو پر آبشاروں کو "گریٹ واٹرز" کے نام سے پکارتے ہیں۔

ان آبشاروں کو ایک اسپینی باشندے نے دریافت کیا تھا۔ ان آبشاروں کی ابتدائی تحقیق جے سوٹ مشنریوں نے سرانجام دی تھی جو اس علاقے میں مقیم تھیں اور وہ انڈین کو تعلیم وتربیت فراہم کرنے اور ان کی زندگیوں کو بہتر بنانے میں کامیابی سے ہمکنار ہو رہی تھیں۔ 1767ء میں ان مشنریوں کو اپنے مشن سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔

ان آبشاروں کے اوپر دو بڑے جزیرے واقع ہیں...... از راسان مارٹن...... یہ نام اس شخص کے نام پر رکھا گیا تھا جس نے جنوبی امریکہ کو اسپینی تسلط سے آزادی دلائی تھی اور از لا گرینڈی۔ یہ آبشاریں ایک الگ تھلگ مقام پر واقع ہیں لیکن اس کے باوجود بھی سالانہ بیس لاکھ سیاح ان سے لطف اندوز ہونے کے لیے آتے ہیں۔ 1897ء میں ایڈمنڈو ڈی بارس نے وہاں پر نیشنل پارک بنایا تھا۔ آبشاروں کی خوبصورتی اور نیشنل پارک سیاحوں کیلئے باعث کشش ہے۔

❀

راوڈی جانیرو

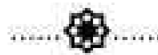
دنیا کی شاہکار بندرگاہ

گوانا بارا خلیج پر...... پہاڑوں میں گھرا ہوا...... جنگلی حیات اور بدیسی پرندوں کا مسکن...... کثیر منزلہ عمارات کا شہر...... جدید ڈیزائن کا شاہکار شہر واقع ہے۔

راوڈی جانیرو کو 1504ء میں دریافت کیا گیا تھا۔ پہلے پہل یہ مقام فرانسیسیوں کے تسلط میں تھا لیکن مابعد پرتگالیوں نے اس پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ 1960ء تک یہ برازیل کا دارالخلافہ تھا۔ اس کے بعد برازیلیا...... ایک بالکل نیا شہر بسایا گیا اور برازیلی لوگوں کو اس میں بسنے کی ترغیب دلائی گئی اور اس کو دارالخلافہ بنا لیا گیا۔

راو تقریباً 150 مربع کلومیٹر (60 مربع میل) کے رقبے پر محیط ہے اور پہاڑوں اور سمندر کے درمیان واقع ہے۔ ابتدائی ایام میں اس مقام پر بیماریاں عام تھیں۔ زرد بخار کے علاوہ دیگر کئی اقسام کی بیماریاں لاحق ہونے کا خدشہ لاحق رہتا تھا لیکن جدید سائنس اور جدید ادویات کی بدولت ان بیماریوں پر قابو پا لیا گیا ہے اور اب راو ایک امیر اور زبردست شہر کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ پہاڑوں کا ایک سلسلہ جو کریکا کہلاتا ہے شہر کو درمیان سے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے جس کے دونوں حصوں کو دنیا کی طویل ترین سرنگ کی بدولت آپس میں منسلک کیا گیا ہے۔ اس پہاڑی سلسلے کی ایک قابل ذکر چوٹی کارکوواڈو ہے۔ یہ سطح سمندر سے 704 میٹر (2,309.7 فٹ) بلند ہے۔ اس چوٹی پر مسیح (علیہ السلام) نجات دہندہ کا مجسمہ نصب ہے جو 1931ء میں مکمل ہوا تھا۔

راوڈی جانیرو کے جنوب میں گاوا پہاڑ واقع ہے۔ اس کی بلندی 841 میٹر (2,759 فٹ) ہے۔ گاوا پہاڑ اور شہر ہے۔ راو کی شاہکار بندرگاہ اور دیگر تفریحات مثلاً سالانہ جشن عیش و عشرت وغیرہ نے اس شہر کو سیاحوں کی جنت بنا ڈالا ہے۔ اس کے علاوہ یہ برازیل میں دوسرا اہم صنعتی شہر بھی ہے۔ اس کی بڑی صنعتیں اشیائے خورد و نوش۔ سامان تعیش۔ پرنٹنگ اور میٹلرجی وغیرہ پر مشتمل ہیں۔



قطب جنوبی

منجمد براعظم

یہ دنیا کا پانچواں عظیم ترین براعظم ہے۔اس کا رقبہ 13,209,000 مربع کلومیٹر (5,100,000 مربع میل) ہے جس پر برف کی موٹی تہہ جمی رہتی ہے۔اس تہہ کی اوسط موٹائی 2.4 کلومیٹر (1.5 میل) ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ مقام شروع سے ہی ایسی ہی نوعیت کا حامل تھا یا نہیں...... لیکن کسی خاص مقام یا زمانہ کے ایسے نباتات اور کسی خاص قطعے یا عہد کے ایسے جانوروں کی باقیات ملی ہیں جو محض گرم آب وہوا کے حامل علاقوں میں پائے جاتے ہیں...... اس سے یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ کسی دور میں...... کسی عہد میں قطب جنوبی بھی گرم آب وہوا کا حامل تھا یا پھر شاید یہ کسی اور براعظم کا حصہ ہو اور مابعد اپنی موجود شکل اختیار کر گیا ہو۔

19 ویں صدی میں ویڈل اور راس اپنے بحری جہاز اس مقام تک لے جانے میں کامیاب ہوئے جہاں تک برف نے انہیں جانے کی اجازت فراہم کی۔اس وقت تک اس مقام کے بارے میں بہت کم معلومات حاصل تھیں حتیٰ کہ اس صدی کے آخر تک برف سے ڈھکے ہوئے اس براعظم تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

بڑا مقصد قطب جنوبی تک پہنچنا تھا...... لیکن برطانوی مہم جو اسکاٹ اور شیکلٹن اور ناروے کے امنڈسن کے درمیان مقابلہ جاتی رجحان کی بدولت اس براعظم کے بارے میں مفید معلومات میسر آئیں۔

اس براعظم تک رسائی حاصل کرنے کے دوران انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر اسکاٹ اور اس کے ساتھی اپنے ارادے میں کامیاب ہوئے لیکن امنڈسن ان سے پیشتر ہی 1911ء میں یہ مہم سر کر چکا تھا۔

ابتدائی مہم جوؤں کے بعد دیگر مہم جو بھی ان کے نقش قدم پر چلے۔ وہ اس ذہن کے حامل تھے کہ وہ سائنسی نوعیت کے انکشافات سرانجام دیں گے۔اس وقت سے لیکر اب تک مہم جو اس نظریے کے تحت اپنے مہم سر کرتے ہیں کہ وہ اپنے سائنسی علم میں اضافہ کریں گے۔

اس کام کو آگے بڑھانے کی غرض سے بارہ اقوام جو اس براعظم پر کچھ نہ کچھ دعویٰ کی حامل ہیں...... 1959ء میں اس امر پر متفق ہو چکی ہیں کہ اس مقام پر کیا جانے والا تمام تر مطالعہ غیر فوجی نوعیت کا حامل ہوگا اور آج بھی یہ بین الاقوامی تعاون جاری ہے۔

حالیہ برسوں میں یہ مقام سائنسی مطالعہ یا سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن چکا ہے جو خصوصی طور پر تعمیر کردہ بحری جہازوں میں اس مقام تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور ایک مثالی براعظم کے عجوبے دیکھتے ہیں۔



چٹانوں کے سلسلے کی عظیم رکاوٹ

مختلف رنگوں کے سخت مادے کی دنیا کی سب سے بڑی

ظہور پذیری جو سمندر کی تہہ میں ظہور پذیر ہوتا ہے

آسٹریلیا کے شمال مغرب میں کوئین لینڈ کے ساحل سے کچھ فاصلے پر چٹانوں کے سلسلے کی عظیم رکاوٹ ...... 1,930 کلومیٹر (1,199 میل) لمبائی کی حامل ہے۔ یہ سلسلہ جزیروں میں منقسم ہے اور بس اتنے راستے کا حامل ہے جس میں سے بحری جہاز گزر سکتے ہیں۔ یہ مقام سیاحوں کی جنت کی حیثیت کا حامل ہے۔

اس سلسلے پر چھ صد جزیرے واقع ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ لاتعداد چٹانیں بھی واقع ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑی چٹانیں سیاحوں کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہیں اور ان پر کچھ رہائشی آبادی بھی موجود ہے۔ تقریباً سترہ جزیروں کے درمیان آمدورفت ممکن ہے۔ ان میں جزیرہ گرین بھی شامل ہے جس میں زیر پانی مشاہدہ گاہ بھی قائم کی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ جزیرہ ہے مین بھی شامل ہے جو سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس کے علاوہ دیگر جزیرے بھی موجود ہیں۔

چٹانوں کے سلسلے کی اس عظیم رکاوٹ نے سائنس دانوں کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ سمندری حیات کا مطالعہ کر سکیں۔ یہاں پر تحقیقاتی اسٹیشن قائم کیے گئے ہیں۔

آیرز چٹان

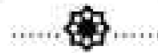
دنیا کی عظیم ترین یک سنگی چٹان

آسٹریلیا میں ایلس سپرنگز کے نزدیک ایک دیو ہیکل گول چٹان سر اٹھائے کھڑی ہے جس کی بلندی 335 میٹر (1,099 فٹ) ہے۔

آیرز چٹان کو 1873ء میں ولیم گوز نے دریافت کیا تھا۔ اس نے اس چٹان کا نام سر ہینری آیرز کے نام پر رکھا تھا جو آسٹریلیا کا وزیر اعظم تھا۔ یہ چٹان کئی ایک قابل ذکر خوبیوں کی حامل ہے۔ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ دنیا کی واحد دیو ہیکل چٹان ہے جو ایک ہی قسم کے میٹریل سے بنی ہوئی ہے۔ بہت سے سیاحوں کے لئے اس چٹان کا رنگ باعث کشش ہے۔ یہ رنگ ان پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس کا رنگ سرخی مائل ہے جو دن کے اوقات کار اور موسم کے لحاظ سے زرد تا ارغوانی رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اس چٹان پر زنجیروں کی مدد سے چڑھنا ممکن ہے جو اس کی سطح پر مہیا کی گئی ہیں اور اس کی چوٹی سے نیچے میدانوں کا بخوبی نظارہ کیا جا سکتا ہے جو ایک بہترین نظارہ پیش کرتے ہیں۔

30,000 سالانہ سے زائد افراد اس عجیب و غریب قدرتی عجوبے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔



آیرز چٹان کے بارے میں حقائق

سطح سمندر سے 869.89 میٹر (2,854 فٹ) بلند۔ جھیل اماڈس کے جنوب میں 38.62 کلومیٹر (24 میل) کی دوری پر واقع ہے۔

لمبائی	2.6 کلومیٹر ($1^3/_5$ میل)
چوڑائی	1.6 کلومیٹر (ایک میل)
محیط	8 کلومیٹر (5 میل)

سڈنی اوپیرا ہاؤس

ایک مثالی تعمیراتی نظریہ

ایک سفید چمکدار عمارت جو آسٹریلیا کی خوبصورت سڈنی کی بندرگاہ پر بن لونگ پوائنٹ کے مقام پر کھڑی ہے...... وہی عمارت اوپیرا ہاؤس کہلاتی ہے یہ عمارت درحقیقت ایک ثقافتی کمپلیکس ہے جس میں ایک تھیٹر...... کنسرٹ ہال...... لائبریری...... اور ریسٹورنٹ شامل ہیں۔

تفریحات کو ایک مقام پر جمع کرنے کا آئیڈیا کوئی نیا آئیڈیا نہیں ہے لیکن اوپیرا ہاؤس کا نظریہ ایک اچھوتا نظریہ ہے۔ اس طرز کی جتنی بھی عمارات آج تک منظر عام پر آئی ہیں یہ عمارت ان تمام عمارتوں سے منفرد اور اچھوتی واقع ہوئی ہے۔ ڈیزائنر جوان اٹزن نے اوپیرا ہاؤس کے لئے جو ڈیزائن تیار کئے تھے ان پر لے دے ہوتی رہی تھی اور وہ متنازعہ ڈیزائن ثابت ہوئے تھے اور 1957ء میں ان ڈیزائنوں پر عوامی رائے طلب کی گئی تھی۔ 1973ء میں جب اس عمارت کو ملک الزبتھ دوم کی موجودگی میں حتمی اور سرکاری طور پر کھولا گیا اس سے کافی عرصہ پہلے جوان اٹزن اس پراجیکٹ سے دست بردار ہو چکا تھا...... وہ اپنا استعفیٰ پیش کر چکا تھا۔ اور اس دوران اس کے ڈیزائنوں میں مناسب ترامیم سرانجام دی گئی تھیں۔

یہ مقام مشہور و معروف سڈنی بندرگاہ کے پل کے قریب واقع ہے اور تین اطراف سے پانی میں گھرا ہوا ہے۔ اس میں ایک ہال موجود ہے جس میں 2700 افراد کے بیٹھنے کی گنجائش موجود ہے۔ ایک اور اوپیرا ہاؤس موجود ہے جس میں 1,550 افراد کے بیٹھنے کی گنجائش موجود ہے۔ اس میں ریسٹورنٹ بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ڈرامہ تھیٹر اور میوزک روم بھی موجود ہے۔

اس عمارت کی تعمیر پر 102 ملین آسٹریلوی ڈالر لاگت آئی تھی اور اس رقم کا بندوبست ایک عوامی لاٹری کے ذریعے کیا گیا تھا۔ اہل آسٹریلیا اس لاٹری کے ہفتہ وار ٹکٹ خریدتے تھے۔ اس رقم کے عوض اہل آسٹریلیا دنیا کے بہترین ثقافتی مراکزوں میں سے ایک مرکز کے حامل بن گئے جو فن تعمیر کے ایک شاہکار کی حیثیت کا بھی حامل ہے۔

سڈنی اوپیرا ہاؤس کے بارے میں حقائق

اوپیرا ہاؤس کی سائٹ	1.81 ہیکٹرز (4½ ایکٹر)
ہال (رقبہ)	121.92 × 53.63 میٹر (400×176 فٹ)
اوپیرا ہاؤس (رقبہ)	107.28×39 میٹر (352×128 فٹ)

نیوزی لینڈ کے پہاڑ

جنوبی بحرالکاہل کی برف پوش خوبصورت جگہ

بہت سے لوگ برف پوش پہاڑوں اور برفانی کھاڑی (دو اونچے پہاڑوں کے درمیان سمندر کا طویل نالہ) سے آشنا نہیں ہیں۔اس لحاظ سے نیوزی لینڈ کا جنوبی جزیرہ ایک مثالی نوعیت کا حامل ہے۔ ان سب کا مرکز جنوبی الپس کینٹر بری میں ماونٹ کک ہے جو 3,764 میٹر (12,349 فٹ) بلند ہے اور یہ ملک کا بلند ترین مقام ہے۔اس کی چوٹی دنیا کی دیوہیکل چوٹیوں میں سے نہیں ہے۔لہٰذا یہ کسی قسم کا کوئی چیلنج پیش نہیں کرتی۔ نیوزی لینڈ کے پہاڑ کوہ پیماؤں کی تربیت کیلئے ایک بہتر بنیاد فراہم کرتے ہیں اور ماونٹ ایورسٹ کی چوٹی سر کرنے والا کوہ پیما سرایڈمنڈ ہیلرے......وہ بھی نیوزی لینڈ سے متعلق ہے۔

الپس میں دیگر بلند چوٹیاں بھی ہیں۔ مثلاً ماونٹ آسپائرنگ...... برف کے میدان...... گہری جھیلیں اور گلیشیئر......ان میں سب سے بڑا گلیشیئر فرانز جوزف گلیشیئر ہے۔الپس سے کئی ایک بڑے دریا بھی نکلتے ہیں۔

مزید جنوب کی جانب چٹانی پہاڑیاں اور کھاڑیاں بھی موجود ہیں اور ان تک رسائی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ سمندر ہے۔کیپٹن جیمز کک 1770ء میں بحری سفر کے دوران یہاں سے گزرا تھا اور 1773ء میں اس نے پکڑ رگل بندرگاہ پر اپنے جہاز کی مرمت بھی سرانجام دی تھی۔ نیوزی لینڈ کی کھاڑیوں بھری سرزمین نے ابتدائی آبادکاروں کو یہاں آباد ہونے کی ترغیب دلائی تھی...... پہلا مکان یہاں پر ایک یورپی باشندے نے تعمیر کیا تھا۔اس نے یہ مکان ملفورڈ ساونڈ میں تعمیر کیا تھا۔

کھاڑیوں کی یہ سرزمین 13,023,713 ایکڑ رقبے پر مشتمل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پہاڑی علاقہ ہونے کی بنا پر یہ جزیرہ ایک خوبصورت جزیرے کے روپ میں ڈھل گیا ہے۔



نیوزی لینڈ آتش فشاں سطح مرتفع

موریوں کا مقدس پہاڑ

ٹونگاریرو نیشنل پارک کے وسط میں موریوں کا مقدس پہاڑ واقع ہے (موری...... نیوزی لینڈ کا ایک باشندہ جس کا تعلق براؤن نسل سے ہے...... اس نسل کی زبان موریس ہے)۔ موری اعتقاد کے مطابق...... آتش فشاں پہاڑ خوبصورت دوشیزہ پیہانگا سے شادی کے طالب تھے۔ وہ دوشیزہ ان میں سے ایک آتش فشاں پہاڑ کو پسند کرتی تھی...... ٹونگاریرو...... لہٰذا دیگر آتش فشاں پہاڑ رخصت ہو کر اندھیرے میں جزیرے کے دیگر حصوں میں پھیل گئے۔

ٹونگاریرو 1,960.3 (6,458 فٹ) بلند ہے۔ آخری مرتبہ اس نے 55-1954ء میں لاوا اُگلا تھا۔ محض ٹونگاریرو ہی نیوزی لینڈ کی 365.7 میٹر (1200 فٹ) آتش فشاں سطح مرتفع پر واحد آتش فشاں نہیں ہے۔ شمال میں روآرھو ہے جو 2,796.5 میٹر (9,175 فٹ) بلندی کا حامل آتش فشاں پہاڑ ہے جو آتش فشاں جھیل کا بھی حامل ہے۔ 1953ء میں جھیل کی ایک دیوار سے راستہ بناتے ہوئے ٹنوں کے حساب سے پانی جو چٹانیں اور لاوا اپنے ہمراہ بہا رہا تھا نیچے دریا وانگانوئی میں آن گرا اور نہ صرف اس کا پل اپنے ساتھ بہا لے گیا بلکہ مسافروں سے بھری ہوئی ایک ریل گاڑی بھی اپنے ساتھ بہا لے گیا جس میں سوار 151 مسافر لقمہ اجل بن گئے تھے۔

آتش فشاں پہاڑوں کے مغرب میں شمالی جزیرے کا ایک اور عجوبہ واقع ہے اور یہ ویٹوموکی غاریں ہیں۔ ان غاروں میں لاکھوں چمکنے والے کیڑے اپنی پراسرار روشنی کے ذریعے غاروں کو منور کرتے ہیں۔



نیوزی لینڈ کے آتش فشاں علاقہ جات کے بارے میں حقائق

شمالی جزیرہ

رقبہ= 114.67 مربع کلومیٹر (44.281 مربع میل)

وسطی آتش فشاں سطح مرتفع

365.76 تا 609.6 میٹر (1,200 تا 2000 فٹ) بلندی کی حامل

روآرھو آتش فشاں

2,796.5 میٹر (9,175 فٹ)

ایگمونٹ آتش فشاں

2,487.6 میٹر (8,266 فٹ)

نگارھو آتش فشاں

2,290.5 میٹر (8,260 فٹ)

ٹونگاریرو آتش فشاں

1,960.3 میٹر (6,458 فٹ)